اَلحُجّۃُ البالِغَۃ

فِی وَفاتِ الَّذِیْ ظَھَرَ فِیْ نَاصِرَہ

تصنیف

مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے

ناشر

نظارت نشر و اشاعت قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ حال ایڈیشن دوم

میرا یہ مختصر سا رسالہ الحجۃ البالغہ پہلی دفعہ ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا تھا جبکہ میں ابھی بالکل نوجوانی کی عمر میں تھا۔ اور کالج کی تعلیم سے تازہ تازہ فارغ ہوا تھا۔ آج قریباً ساڑھے اڑتیس سال کے طویل عرصہ کے بعد محترمی ملک فضل حسین صاحب کی تحریک پر اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ میں نے ایڈیشن دوم کے وقت اس رسالہ کے مضمون میں جو میری نوجوانی کے زمانہ کی یادگار ہے کوئی خاص تبدیلی نہیں کی بلکہ صرف کہیں کہیں معمولی لفظی تبدیلی اور آخر میں ایک ضروری تتمہ بڑھانے کے بعد کاتب کے سپرد کر رہا ہوں۔

وفاتِ مسیح ناصری کے مسئلہ کو اس لحاظ سے تو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کو حضرت مسیح موعود بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے دعویٰ کے ساتھ ایک بنیادی تعلق ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر اس کی اہمیت کا وہ پہلو ہے جو مسیحیت کے دجالی فتنہ سے تعلق رکھتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کے مقابلہ پر مسیحیت کو جو عارضی اور ظاہری سا غلبہ حاصل ہوا ہے اس کی تہ میں یہی جھوٹا عقیدہ کارفرما ہے کہ جہاں سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا کر زیرِ زمین دفن ہو چکے ہیں وہاں نعوذ باللہ مسیح ناصریؑ اب تک آسمان پر خدا کے پہلو میں بیٹھا ہوا دُنیا میں دوبارہ نازل ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔ اب وقت ہے کہ اس بے بنیاد عقیدہ کا بطلان ثابت کر کے اسلام کو ہر جہت سے مسیحیت پر غالب کیا جائے۔ حق یہ ہے کہ اگر کوئی نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے تو وہ صرف ہمارے آقا (فداہ نفسی) محمد عربیؐ ہیں اور باقی سب اپنا اپنا وقت پورا کر کے وفات پا چکے ہیں۔ اللّٰھم صلی علٰی محمدٍ و بارک وسلم ویٰاَیُّھا الّذینَ امنو ا صلّو ا علیہ وسلّمو اتسلیما۔

(فروری ۱۹۵۵ء)

خاکسار مرزا بشیر احمد
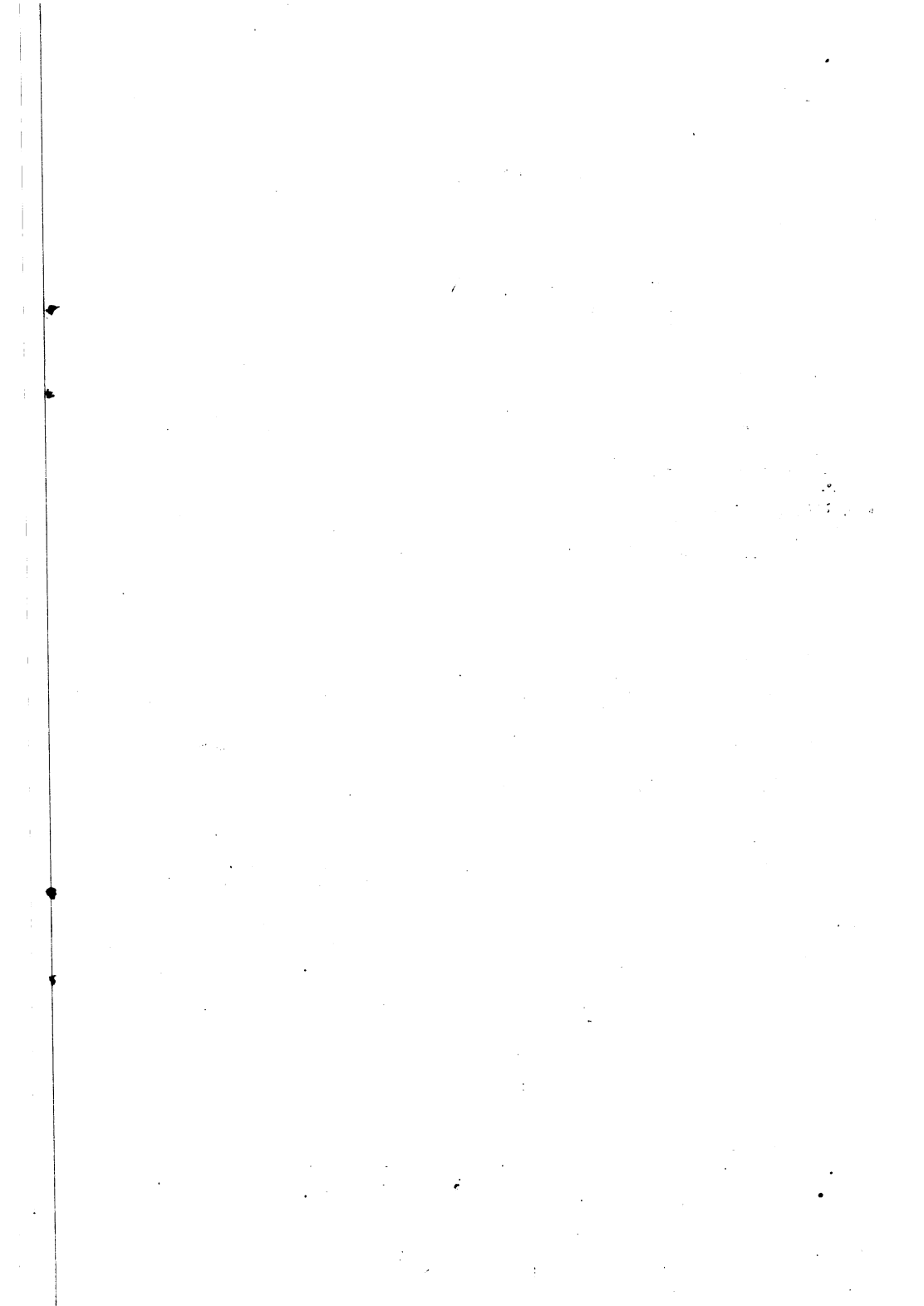
بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وفات وحیاتِ مسیح ناصریؑ کے

عقیدہ کی اہمیّت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی حضرت مسیح ناصری کے وفات وحیات کے عقیدہ کو تین لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اوّل اس لحاظ سے کہ اس وقت دنیا کا بیشتر حصّہ عیسائی مذہب کا پیرو ہونے کی وجہ سے حضرت مسیح ناصری کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہوئے اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ اس دنیا میں چند سال زندگی گزارنے کے بعد پھر آسمان پر واپس چلے گئے اور وہاں زندہ موجود ہیں اور نعوذ باللہ خدا کی ازلی حکومت کے حصہ دار ہیں۔ دوسرے اس لحاظ سے کہ عیسائیوں کے اس عقیدہ سے خاموش طور پر متاثر ہو کر اور بعض قرآنی آیات اور احادیث کی غلط تشریح کر کے اس زمانے کے جمہور مسلمان بھی اس خیال پر قائم ہو گئے ہیں کہ گو حضرت عیسیٰ خدا یا خدا کا بیٹا تو نہیں تھے بلکہ صرف خدا کے ایک نبی تھے مگر صلیب کے واقعہ پر خدا نے انہیں بجسم عنصری زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا اور وہ اب تک آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں پھر دوبارہ زمین پر نازل ہو کر اُمّتِ محمدیہؐ کی اصلاح کریں گے۔ تیسرے اس لحاظ سے کہ چونکہ حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے اس لئے جب تک حضرت مسیح ناصری کی وفات وحیات کے عقیدے کا فیصلہ نہ ہو کوئی مسلمان حضرت مرزا صاحبؑ کے دعویٰ مسیحیت کی طرف سنجیدگی کے ساتھ توجہ نہیں کر سکتا۔ ان تین وجوہات کی وجہ سے ضروری ہے کہ قرآن و حدیث اور عقل خداداد کی روشنی میں اس مسئلہ کو صاف کر کے مخلوقِ خدا کی ہدایت کا سامان مہیا کیا

جائے اور عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کا بول بالا ہو۔

حضرت مرزا صاحبؑ کا دعویٰ اور وفاتِ مسیح ناصریؑ

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی بانئ سلسلہ احمدیہ کے دعوائے مسیحیت کے راستے میں سب سے پہلا سوال حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات کا ہے کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا اس وقت تک خواہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کی صداقت پر ہزار سورج چڑھا دیا جاوے طبیعت میں ایک گونہ خلجان ضرور رہتا ہے۔ جس منصب کا حضرت مرزا صاحب کو دعویٰ ہے یعنی مسیحیت، جب تک اس کی کرسی خالی نہ ہو حضرت مرزا صاحب کی سچائی کے متعلق دل اطمینان نہیں پکڑ سکتا لہذا ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس روک کو دور کیا جاوے۔ سو واضح ہو کہ قرآن شریف اور احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ آخری زمانے میں جبکہ مسلمان کمزور حالت میں ہوں گے اور مسیحی عقائد کا زور ہوگا اور لا مذہبی ہر طرف اپنا دامن پھیلا رہی ہوگی، اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک مسیح بھیجے گا جو کہ نہ صرف مسلمانوں میں اصلاح کا کام کرے گا بلکہ غیر مذاہب کے مقابلے میں بھی کھڑا ہوگا اور براہینِ قاطعہ کے ذریعے اسلام کا غلبہ تمام دوسرے ادیان پر ثابت کر دے گا۔ یہاں تک تو سب مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے مگر اس کے آگے اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے مخالف علماء کا یہ مذہب ہے کہ موعود مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جو واقعہ صلیب کے موقع پر آسمان کی طرف اٹھا لئے گئے تھے اور اب تک آسمان پر زندہ بجسم عنصری موجود ہیں اور آخری زمانے میں دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے۔ اس کے مقابل پر حضرت مرزا صاحبؑ اور آپ کی جماعت کی یہ تعلیم ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ فوت ہو چکے ہیں اس لئے آنے والا مسیح کوئی اور شخص ہونا چاہئے جو

حضرت مسیح ناصری کا مثیل بن کر آئے گا۔ ہر چند کہ حضرت مرزا صاحب کا فرض نہ تھا کہ وہ وفاتِ مسیح ثابت کرتے بلکہ مرزا صاحب کے مخالفین کا یہ فرض ہے کہ وہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے حضرت مسیح کی حیات ثابت کریں کیونکہ حیاتِ مسیح کا دعویٰ ایک ایسا دعویٰ ہے جو عام مشاہدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی بیّن دلیل کے بغیر ہر گز مانا نہیں جا سکتا بمقابلہ موت کے دعویٰ کے جس کے لئے کسی بیرونی دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ عام فطری قاعدہ کے مطابق ہے مگر باوجود اس کے حضرت مرزا صاحب نے اصلاحِ خلق اللہ کی نیت سے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور پھر اس خیر و خوبی سے اس کو نباہا کہ آج اور تو اور بڑے بڑے غیر احمدی علماء بھی اس مسئلے پر کسی احمدی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے سخت گھبراتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو بات کرنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس مسئلے کو حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ حالانکہ موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے متعلق تحقیقات کے رستے میں وفات و حیاتِ مسیح ناصری کا مسئلہ سب سے پہلا سوال ہے جو حل ہونا چاہئے۔

بابِ اوّل

(رفع الی السّماء کا مسئلہ)

اس مختصر تمہید کے بعد میں چند موٹی موٹی عام فہم باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں جن سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح ناصری ہر گز آسمان پر بجسم عنصری نہیں اُٹھائے گئے بلکہ انہوں نے زمین پر ہی اپنی زندگی کے دن کاٹے اور زمین پر ہی فوت ہوئے۔

انسان کی زندگی اور موت اسی دُنیا کے ساتھ وابستہ ہے

قرآنِ شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے :۔

فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ (سورہ اعراف رکوع ۲)

"یعنی تم اپنی زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹو گے اور زمین پر ہی تمہیں موت آئے گی۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ وضاحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ تمام انسانوں کے لئے یہ مقدّر ہو چکا ہے کہ وہ زمین پر ہی زندگی کے دن گزاریں گے اور زندگی کے دن گزارنے کے بعد جب موت کا وقت آئے گا تو ان کی موت بھی زمین پر ہی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ دُنیا میں انسان پر دو ہی زمانے آتے ہیں ایک زندگی کا زمانہ ہے اور ایک موت کا زمانہ۔ اِن دونوں کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوجود ایک انسان ہونے کے کس طرح بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ؟ کیا مسیحؑ کو زندہ آسمان پر لے جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے اس فیصلہ کو بھول گیا کہ انسان اپنی زندگی کے دن زمین پر ہی کاٹے گا اور زمین پر ہی فوت ہوگا ؟

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا (سورہ مرسلات رکوع ۱)

"یعنی ہم نے اس زمین کو ایسا بنایا ہے کہ وہ انسان کو اپنی طرف کھینچنے والی اور اس کو اپنے پاس روکنے والی ہے خواہ انسان زندگی کی حالت میں ہو یا کہ مُردہ ہو۔"

اس آیت نے گویا پہلی آیت کی تشریح کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے زمین کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ زندوں اور مُردوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہے اور انسانی جسم کو اپنے سے باہر نہیں جانے دیتی۔ یہ آیت بھی مسیحؑ کے آسمان پر جانے کو غلط ثابت کر رہی ہے۔

نبی کریم ﷺ اپنی بشریّت کو آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانے کے رستہ میں روک بیان فرماتے ہیں

پھر اس سے بھی بڑھ کر لیجئے کہ جب کفار نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ اگر آپ سچّے ہیں تو ہمیں آسمان پر چڑھ کر دکھائیں پھر ہم مان لیں گے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اے رسول تو ان کو جواب دے کہ :۔

سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (سُورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

"یعنی پاک ہے میرا رب میں تو صرف ایک انسان رسول ہوں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ ایک بشر کا زندہ آسمان پر جانا خدا کی سنّت اور وعدہ کے خلاف ہے اور خدا اس بات سے پاک ہے کہ خود اپنے فیصلوں کو توڑے۔ غور کا مقام ہے کہ کفارِ عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان انسان سے آسمان پر جانے کا معجزہ طلب کرتے ہیں اور اس قسم کا معجزہ دیکھنے پر ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ صاف جواب دیتے ہیں کہ میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں اور کوئی بشر آسمان پر زندہ نہیں جاسکتا۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے ایک عیسائی اگر اس بات کے کہنے کی جرأت کرے تو کرے کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر چلا گیا مگر ایک مسلمان کہلانے والا انسان جو مسیحؑ کو ایک انسان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درجہ میں بہت چھوٹا انسان یقین کرتا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو قبول نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح ناصری اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر جا بیٹھے ہوں۔ غضب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کو یہ جواب دیتے ہیں کہ میں صرف ایک انسان ہوں اور انسان کا آسمان پر زندہ چلے جانا خلافِ سنّت و خلافِ فیصلۂ الٰہی ہے مگر مسلمان ہیں کہ مسیحؑ کو انسان مانتے ہوئے پھر بھی اُس کو آسمان پر بٹھا رہے ہیں۔ کیا اگر واقعی مسیح آسمان پر زندہ بیٹھا ہے تو وہ اِس آیت کی رُو سے انسان سے بالا ہستی نہیں ثابت ہوتا؟ کیا ایک عیسائی مسلمانوں کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب قرآن میں

تمہارے نبی آسمان پر زندہ جانے کے راستہ میں صرف اپنی بشریّت کو بطور روک کے بیان کرتے ہیں تو کیا مسیح جو تمہارے نزدیک آسمان پر زندہ بجسم عنصری جا پہنچا وہ تمہارے نبی سے افضل بلکہ انسان سے کوئی بالا ہستی نہ ثابت ہوا؟ اس کا جواب مسلمانوں کے پاس سوائے شرمندگی کے اور کیا ہے؟ افسوس مسلمانوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اسلام میں ارتداد کا رستہ کھولا اور اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی افضلیت پر خود اپنے ہاتھ سے تبر چلایا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ ؎

من از بیگاناں ہرگز نہ نالم | کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

”یعنی میں دوسروں کا گِلا نہیں کرتا مجھ سے تو جو کچھ کیا ہے میرے اپنے دوستوں نے ہی کیا ہے۔“

معراج کی حقیقت

اِس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں نبی کریم ﷺ کے آسمان پر زندہ بجسم عنصری جانے کو بوجہ آپ کے ایک بشر ہونے کے ممتنع قرار دیتا ہے تو پھر معراج کے موقع پر نبی کریمؐ کس طرح آسمان پر جا پہنچے؟ اِس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت نبی کریمؐ کا معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا تھا بلکہ وہ ایک نہایت لطیف قسم کا کشف تھا جو نبی کریمؐ کو دکھایا گیا اور جس طرح خواب میں بعض وقت انسان باوجود اپنی چارپائی پر لیٹا ہونے کے دور دراز ملکوں کی سیر کر لیتا ہے اسی طرح اِس کشف کی حالت میں ہوا۔ خود سلف صالحین میں سے ایک گروہ اِسی طرف گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ وہ ایک لطیف کشف تھا جس میں آپ کی اور آپ کی اُمّت کی آئندہ ترقیات کے نظارہ کے طور پر نبی کریم ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ ہاں بعض مسلمانوں نے بے شک معراج کو جسم عنصری کے ساتھ مانا ہے مگر قرآنِ شریف اور احادیثِ صحیحہ اِس خیال کی بڑی صفائی کے

ساتھ تردید کرتی ہیں۔ اوّل تو مندرجہ بالا آیت ہی (یعنی آیت هل كُنتُ الا بَشَراً رَّسُولاً) اِس خیال کو دھکے دے رہی ہے۔ اگر بجسم عنصری نبی کریم ﷺ آسمان پر جا سکتے تھے تو آپ نے کیوں کفارِ مکہ کو نفی میں جواب دے کر اسلام لانے سے محروم کر دیا؟ اگر معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا تو معمولی بات تھی کفار کے مطالبہ پر ان کو یہ معجزہ دکھایا جاتا مگر آنخضرت ﷺ نے بوجہ بشر ہونے کے اپنا آسمان پر جسم عنصری کے ساتھ جانا ممتنع قرار دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ معراج بجسم عنصری نہیں ہوا۔ علاوہ اس کے قرآنِ شریف میں معراج کو رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا :۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (سُورہ بنی اسرائیل رکوع ٦)

"یعنی ہم نے جو رؤیا تجھے دکھائی ہے وہ لوگوں کے لئے ایک امتحان کے طور پر ہے۔"

پھر حضرت عائشہؓ سے روایت آتی ہے کہ معراج کی رات آنخضرت ﷺ کا جسمِ مبارک زمین سے جُدا نہیں ہوا (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ معراج بجسمِ عنصری نہ تھا بلکہ آپ کو کوئی اور لطیف جسم عطا کیا گیا تھا جیسا کہ کشف میں ہوتا ہے پھر بخاری جو حدیث کی کتابوں میں مسلمہ طور پر صحت کے لحاظ سے اوّل نمبر پر ہے اس میں لکھا ہے کہ :۔

ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بخاری کتاب التوحید)

"یعنی نبی کریم ﷺ معراج میں یہ سب نظارے دیکھنے کے بعد بیدار ہو گئے اور اُس وقت آپ مسجد حرام میں تھے۔"

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معراج ایک لطیف رؤیا تھا جو بصورت کشف دکھایا گیا نہ کہ بصورتِ جسم عنصری وھوالمراد۔

رفع الی اللہ کی صحیح تشریح

غرض قرآنِ شریف اس بات کا ہرگز مُتحمّل نہیں ہے کہ کوئی بشر جسمِ عنصری کے

ساتھ آسمان پر زندہ چلا جاوے بلکہ صاف الفاظ میں اس کے خلاف اعلان فرماتا ہے۔ مگر حضرت مرزا صاحب کے مخالفین قرآن شریف کی ایک آیت سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا اور وہ آیت یہ ہے :۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (سورۃ النساء رکوع ۲۲)

"یعنی یہود نے نہ تو مسیحؑ کو قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا بلکہ اصل میں واقعہ یہ ہوا کہ مسیحؑ ان کی نظروں میں مشابہ بالمقتول والمصلوب بنا دیا گیا.... مگر وہ ہرگز ہرگز مسیحؑ کے مارنے پر قادر نہیں ہوئے بلکہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اُٹھالیا۔"

اِس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف اٹھالیا تھا۔ لیکن اگر غور و فکر سے کام لیا جاوے تو استدلال کی کمزوری صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے شک رفع ہوا کیونکہ رفع کے متعلق قرآنِ کریم کے الفاظ صاف ہیں اور ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کس طرح اور کس طرف رفع ہوا؟ قرآنِ شریف کے الفاظ یہ ہیں :۔

"بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ"

"یعنی اللہ نے مسیح کو اپنی طرف اُٹھالیا۔"

اب اگر خدا کی طرف اُٹھائے جانے کے معنی آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے لئے جاویں تو سوال ہوتا ہے کہ کیا خدا آسمان تک محدود ہے؟ کیا وہ زمین پر موجود نہیں؟ کیا اسلامی تعلیم کی رُو سے خدا ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔ تو پھر ان الفاظ کے کیا معنی ہوئے کہ خدا نے مسیح کو اپنی طرف اُٹھالیا؟ اِس سوال کا تسلی بخش جواب پانے کے لئے ہمیں چاہئے کہ آیت کے سیاق و سباق پر نظر ڈالیں۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ نعوذ باللہ مسیح ایک لعنتی موت مرا

کیونکہ توریت کی تعلیم کے مطابق صلیب پر مرنا ایک ملعون موت ہے۔(استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳)اس طرح گویا یہود مسیحؑ کا نعوذ باللہ ملعون اور کاذب ہونا ثابت کرتے تھے ان کے اس دعوے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیحؑ ہرگز صلیب پر نہیں مرا بلکہ اُس کا تو اللہ تعالیٰ کی طرف رفع ہوا۔ یعنی تم نے کوشش کی تھی کہ مسیحؑ کو ملعون موت کا شکار بناؤ مگر تمہاری کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے ناکام کیا اور بجائے اس کے کہ مسیح ایک ملعون موت مر کر ہاویہ میں گرتا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف بلند کیا اور اس کو خدا کی طرف رُوحانی رفع حاصل ہوا۔ ایسا رُوحانی رفع اللہ تعالیٰ کے تمام مقرّبین کو حاصل ہوتا ہے جیسا کہ قرآنِ مجید فرماتا ہے :۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (سورہ فجر رکوع ۱)

”یعنی اے اطمینان یافتہ نفس لوٹ آ اپنے رب کی طرف اس حالت میں کہ تُو خود بھی راضی ہو اور اللہ کو بھی راضی کر رہا ہو اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنّت میں ٹھکانا بنا۔“

اِس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ تمام مقربینِ بارگاہِ الٰہی کا اللہ کی طرف ہی رفع ہوا کرتا ہے۔
پھر رفع کے معنی اِس آیت سے بھی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ :۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (سورہ اعراف رکوع ۲۲)

”خدا حضرت موسیٰؑ کے ایک مخالف کے متعلق جو پہلے نیک ہوتا تھا اور جس کا نام روایتوں میں بلعم باعور بیان ہوا ہے فرماتا ہے کہ ”اگر ہم چاہتے تو اپنے نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے لیکن وہ خود زمین کی طرف جھک گیا۔“

اس جگہ مسلّمہ طور پر رفع سے رفع رُوحانی مراد لیا جاتا ہے نہ کہ رفع جسمانی۔ حالانکہ یہاں تو زمین کا مخالف قرینہ بھی موجود ہے تو پھر کیوں خواہ مخواہ حضرت مسیحؑ ناصری کے

بارے میں رفع سے رفع جسمانی مراد لیا جاوے خصوصاً جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کا یہ اعتراض تھا کہ مسیح صلیبی یعنی لعنتی موت مرا ہے اور اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اس کا روحانی رفع نہیں ہوا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہیں مرا بلکہ اس کے مقابل پر اسے روحانی رفع حاصل ہوا۔ اگر اس جگہ رفع سے جسمانی رفع مراد لیا جاوے تو آیت کے کچھ معنی ہی نہیں بنتے۔ یہود اعتراض کرتے ہیں کہ مسیح مصلوب ہونے کی وجہ سے روحانی رفع سے محروم رہا بلکہ نعوذ باللہ ایک لعنتی موت مرا۔ اِس پر ان کو جواب ملتا ہے کہ نہیں مسیح کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ سوال کچھ اور ہے اور جواب کچھ اور۔ ایک موٹی سے موٹی عقل رکھنے والا انسان بھی جواب دیتے ہوئے یہ سوچ لیتا ہے کہ کیا میں اصل اعتراض کا جواب دے رہا ہوں یا کوئی غیر متعلق بات کہہ رہا ہوں مگر نعوذ باللہ ہمارے مخالفوں کا خدا عجیب ہے کہ اعتراض تو رفع روحانی کی نسبت ہے اور جواب میں رفع جسمانی پیش کیا جارہا ہے۔ پس یہ بات یقینی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق رفع الی اللہ سے مراد رفع روحانی ہے جو تمام مقرّبینِ الٰہی کا ہوا کرتا ہے نہ کہ رفع جسمانی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اوّل تو اللہ کی ذات صرف آسمان کے اندر محدود نہیں بلکہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے پس اللہ کی طرف رفع ہونے کے معنی رفع روحانی کے سوا اور کوئی اور نہیں لئے جاسکتے دوسرے یہ کہ یہود کا اعتراض رفع روحانی کے متعلق تھا نہ کہ رفع جسمانی کے متعلق۔ سو اس کے جواب میں رفع جسمانی پیش کرنا بے سُود ہے اور ایسا جواب خدا جیسی حکیم ہستی کی طرف ہرگز منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرے یہ کہ اگر اللہ کی طرف اُٹھائے جانے کے معنی جسم عنصری کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ تمام مقربین الٰہی زندہ آسمان کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے :۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

"یعنی اے اطمینان یافتہ نفس تُو اپنے خدا کی طرف لوٹ آ۔"

چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں رفع کے معنی رفع رُوحانی کے آئے ہیں جیسا کہ حضرت

موسیٰؑ کے زمانے میں بلعم باعور کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ

”یعنی اگر ہم چاہتے توان نشانوں کے ذریعہ اس کا رفع کرتے لیکن وہ تو خود زمین کی طرف جُھک گیا۔“

ایک اور آیت ہے جو رفع کے معنوں کو بالکل واضح کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ (سورہ آل عمران رکوع ۶)

یعنی خدا فرماتا ہے کہ ”اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا۔“

اس آیت میں ترتیب کے لحاظ سے رفع کو وفات کے بعد رکھا گیا ہے جس سے رفع کے معنی صاف طور پر کُھل جاتے ہیں۔ موت کے بعد نیک لوگوں کی ارواح کا خدا کی طرف رفع ہوا کرتا ہے اور اُن کو جنّت کی طرف اُٹھا کر بلند مقام میں جگہ دی جاتی ہے۔ لیکن بد ارواح کا کسی بلند مقام کی طرف رفع نہیں ہوتا بلکہ وہ جہنّم کی طرف گرادی جاتی ہیں۔ سو اسی مفہوم کے مطابق خدا نے مسیح ناصریؑ کو گرنے سے بچا کر اپنی طرف اُٹھالیا وھوالمراد۔ بَل رَّفَعهُ اللّٰهُ اِلَيهِ والی آیت جس کی بحث اُوپر گزری ہے اِسی آیت کے جواب میں واقع ہوئی ہے۔ اس میں اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دے کر اپنی طرف اُٹھاؤں گا اور آیت رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيهِ میں اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم نے حسبِ وعدہ مسیح کو اپنی طرف اُٹھالیا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جو ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں مثلاً ملاحظہ ہو قرآنی آیت :۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (سورہ فاطر رکوع ۲)

”یعنی اللہ ہی کی طرف طیّب کلمات چڑھتے ہیں اور نیک اعمال ہی انسان کے رفع کا باعث ہوتے ہیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر ایک نیک انسان کو اس کے نیک اعمال کی وجہ سے خدا کی طرف رفع حاصل ہوتا ہے تو اب کیا سارے نیک انسان آسمان پر زندہ اُٹھائے جاتے ہیں ؟

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اِس قول سے بھی ظاہر ہیں کہ :۔

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (سورہ الصافات رکوع ۳)

"یعنی میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔"

پھر اس قرآنی آیت سے تو سب مسلمان واقف ہیں کہ :۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (سورہ بقرہ رکوع ۱۹)

"یعنی ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم جائیں گے۔"

تو کیا اس جگہ اللہ کی طرف جانے سے یہ مُراد ہے کہ ہم آسمان کی طرف زندہ اُٹھائے جائیں گے ؟ لاحول ولاقوۃ اِلا باللّٰہ۔ پھر حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا عبّاسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

رَفَعکَ اللّٰهُ یَاعَمّ (دیکھو کنز العمال)

"یعنی اے چچا! خدا آپ کا رفع کرے۔"

اِس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا کے لئے رفع کی دُعا کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ رفع سے مُراد رفع رُوحانی ہے نہ کہ جسمانی کیونکہ حضرت عباسؓ کو کبھی رفع جسمانی حاصل نہیں ہوا۔ پھر اور لیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں پڑھنے کے لئے دعا سکھلائی ہے کہ :۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ

"یعنی اے میرے پروردگار مجھ پر رحم کر اور مجھے ہدایت کر اور مجھے رزق دے اور مجھے

رفع عطا کر۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ہمیشہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اب اگر رفع کے معنی رفع جسمانی کے لئے جاویں تو بڑی مشکل کا سامنا ہے اور وہ یہ کہ نبی کریمؐ ساری عمر رفع کے لئے دُعا کرتے رہے مگر آپ کی دعا قبول نہ ہوئی اور آپ کو جسمانی رفع نصیب نہ ہوا نعوذ باللّٰہ من ھٰذہ الھفوات۔

علاوہ اس کے مفرداتِ راغب جو قرآنِ شریف کی مشہور اور مستند لغت ہے اس میں رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیهِ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ :۔

”رَفَعَهُ مِنْ حَيْثُ التَّشْرِيْفِ“

”یعنی امام راغب صاحب فرماتے ہیں کہ اِس آیت سے مُراد یہ ہے کہ ”اللہ نے مسیحؑ کا درجہ بلند کیا۔“

اور لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں لکھا ہے کہ رافع نام اللہ تعالیٰ کا اس لئے ہے کہ :۔

هُوَ الَّذِىْ يَرْفَعُ الْمُؤْمِنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِيَاءَهٗ بِالتَّقَرُّبِ

”یعنی وہ مومنوں کو سعادت کے ذریعے اور اولیاء کو قربت کے ذریعے اپنی طرف اُٹھاتا ہے۔“

الغرض یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اور نبیوں کی اصطلاح میں رفع سے مُراد رفع رُوحانی ہوتا ہے نہ کہ رفع جسمانی۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جہاں کہیں بھی خدا کے کلام میں جب بندے کے متعلق رفع کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو اس کے معنی سوائے رفع رُوحانی کے اور کچھ نہیں لئے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ رفع رُوحانی میں مسیح ناصریؑ کی قطعاً کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام نیک لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا رہا ہے۔ ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

مَاصَلَبُوہُ اور شُبِّہَ لَھُم کے معنی اور واقعہ صلیب کے اصل حالات

اگلا مضمون بیان کرنے سے پہلے ایک ضمنی نوٹ آیت مَاصَلَبُوہُ کی تشریح اور واقعہ صلیب کے متعلق درج کرنا ضروری ہے۔ اُوپر والے نوٹ میں ہم نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ صلیب پر لٹکائے تو گئے مگر وہ صلیب پر مرے نہیں۔ لیکن ہمارے مخالف مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر مطلقاً چڑھائے ہی نہیں گئے بلکہ ان کی جگہ کوئی اور آدمی چڑھادیا گیا جو ان کے ساتھ کامل مشابہت رکھتا تھا اور خود ان کو خدا نے آسمان پر اُٹھالیا۔ اِس بحث کو مسیحؑ کی وفات حیات سے تو کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھے یا نہ چڑھے اس سے ہم کو کام نہیں بلکہ ہماری غرض تو صرف اِس سے ہے کہ وہ آسمان کی طرف زندہ اُٹھائے گئے یا نہیں۔ لیکن پھر بھی چونکہ بعض مولوی صاحبان خواہ مخواہ اِس بحث کو درمیان میں لے آتے ہیں اس لئے اس کے متعلق کچھ لکھنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ سو واضح ہو کہ صلب کے معنی سمجھنے میں ہمارے مولویوں نے سخت دھوکا کھایا ہے اور وہ یہ کہ وہ اس کے معنی محض صلیب پر چڑھانے کے کرتے ہیں حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔ لغت کی کتابوں میں لکھا ہے : اَلصَّلِیب : اَلقِتلَۃُ المَعرُوفَۃُ (ملاحظہ ہو لسان العرب و تاج العروس) یعنی صلیب دینے کے معنی معروف طریقے پر مارنے کے ہیں یعنی کسی کو صلیب پر لٹکا کر مارنا۔ خود لفظ صلیب کی رُوٹ میں مارنے کا مفہوم موجود ہے۔ کیونکہ صلب اور صلیب کے اصل معنی ہڈی کے گودے کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو تاج العروس و لسان العرب و اقرب الموارد) اس لئے صلب کے معنی یہ ہوئے کہ کسی آدمی کو اس طرح مارنا کہ اسکے جسم سے ہڈیوں کا گودا بہہ نکلے اور یہی صلیبی موت ہے۔ کیونکہ صلیب کا طریق یہ ہوتا تھا کہ صلیب کی لکڑی سے مجرم کو میخوں سے لٹکا دیا جاتا تھا جہاں وہ بھوک، تکان وغیرہ سے لٹکا لٹکا مر جاتا تھا اور اس کا جسم سڑ جاتا تھا اس لئے مَاصَلَبُوہُ کے یہ معنی کرنا کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب کی لکڑی پر لٹکایا تک نہیں صریحاً غلط ہے بلکہ اِس کے معنی صلیب پر لٹکا کر مارنے کے ہیں۔ ہمارے مخالف بعض وقت کہتے ہیں کہ اگر یہ معنی درست ہیں تو آیت میں

مَاقَتَلُوہُ کا لفظ زائد کرنے کی کیا ضرورت تھی صرف مَاصَلَبُوہُ کہنا کافی تھا۔ لیکن یہ اعتراض بھی ان کی تاریخی ناواقفیت سے پیدا ہوا ہے اور وہ یہ کہ ہمارے مخالفوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یہود کا صرف یہی دعویٰ تھا کہ ہم نے مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا کر مار دیا ہے جس کے جواب میں خدا نے فرمایا کہ یہود نے مسیحؑ کو ہرگز نہیں مارا بلکہ صلیب پر چڑھایا تک نہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ یہود میں اس عقیدے کے متعلق دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے پہلے مسیحؑ کو قتل کر دیا پھر ذلّت کے لئے صلیب پر مسیحؑ کا جسم لٹکا دیا۔ کیونکہ ان کے ہاں یہ بھی ایک طریقہ ہوتا تھا کہ مجرم مقتول کا جسم عبرت کے لئے کسی اونچی جگہ لٹکا دیتے تھے۔ دوسرا گروہ ان میں یہ کہتا ہے کہ مسیحؑ کو صلیب پر ہی لٹکا کر مارا گیا اور صلیب پر ہی اس کی موت ہوئی۔ ان دونوں کے ردّ میں خدا فرماتا ہے کہ نہ تو مسیحؑ کو یہود نے قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر لٹکا کر مارا۔ قرآن شریف میں جہاں یہود کے دونوں گروہوں کا دعویٰ بیان کیا ہے وہاں صرف قتل کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ قتل کا لفظ ایک تو عام معنوں میں آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح مار ڈالنا اور دوسرے خصوصیت کے ساتھ تلوار وغیرہ کے ساتھ مارنے پر بولا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تاج العروس ولسان العرب) پس جہاں یہود کا دعویٰ بیان ہوا ہے وہاں قتل کو عام معنوں میں رکھا ہے جو مار دینے کے سب طریقوں پر حاوی ہے۔ لیکن جواب دیتے ہوئے چونکہ تصریح کی ضرورت تھی اس لئے قتل کے مقابل میں صلب کا لفظ رکھ کر قتل کو اس کے خاص معنوں میں محدود کر کے دونوں دعووں کی تردید کر دی گئی ہے۔

یہ اعتراض کہ خدا کا مسیحؑ کو یہ کہنا کہ کَفَفتُ بَنِی اِسرَآئیلَ عَنکَ (سورۃ مائدہ رکوع ۱۵) ''یعنی ہم نے تجھے بنی اسرائیل کے شر سے محفوظ رکھا۔'' ظاہر کرتا ہے کہ یہود مسیحؑ کو صلیب پر لٹکانے ہی پر قادر نہیں ہو سکے ایک نہایت بودا اعتراض ہے جو محض قلتِ تدبّر سے پیدا ہوا ہے۔ کَفَفتُ بَنِی اِسرَآئیلَ عَنکَ کے صرف یہ معنی ہیں کہ خدا نے مسیحؑ کو اُن کے شر سے محفوظ رکھا۔ یعنی یہود نے جو یہ ارادہ کیا تھا کہ اسے صلیب کے ذریعے مار

ڈالیں اس میں ان کو نامُراد کیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہود کوئی چھوٹی موٹی تکلیف بھی مسیحؑ کو نہیں پہنچا سکے ایک ابلہانہ بات ہے جس کی نہ تو الفاظ اجازت دیتے ہیں اور نہ ہی تاریخ سے اس کی کوئی شہادت ملتی ہے۔ علاوہ اس کے ہمارے نبی کریم ﷺ سے بھی خدا کا وعدہ تھا کہ وَاللّٰہُ یَعصِمُکَ مِنَ النَّاس (سورۃ مائدہ رکوع ۱۰) ''یعنی اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔'' لیکن باوجود اس کے آپ کو کفار کے ہاتھوں اتنی تکالیف پہنچیں کہ بقول آپ کے اس قدر تکالیف کسی اور نبی کو نہیں پہنچیں۔ آپ کے دو دانت ایک لڑائی کے موقع پر ٹوٹ گئے اور طائف اور اُحد کے موقع پر زخم بھی آئے اور کئی اور طریق سے بھی تکلیف دی گئی تو کیا خدا کا وعدہ غلط نکلا؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا کَفَفتُ بَنِی اِسرَآئیلَ عَنکَ کے صرف یہی معنی ہیں کہ یہود کی شرارتوں سے مسیحؑ کو محفوظ رکھا اور یہ جو انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اسے صلیب پر مار کر نعوذ باللہ ایک ملعون موت مرنے والا ثابت کریں اس ارادہ میں ان کو نامُراد کیا کیونکہ تورات میں یہ لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائے گا اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ جو صلیب پر لٹکا کر مارا جاتا ہے وہ خدا کا ملعون ہے۔

پھر یہود اور عیسائیوں کی متفقہ شہادت موجود ہے کہ بہر حال مسیحؑ کو صلیب پر لٹکایا ضرور گیا اور یہی دو قومیں ہیں جو اس معاملے میں اصل شاہد ہو سکتی ہیں۔ آگے اس بات کے فیصلہ میں کہ مسیحؑ صلیب پر مرا یا کہ نہیں مرا۔ قرآن شریف کی صاف گواہی موجود ہے کہ وہ نہیں مرا اور خود انجیل سے بھی بغور مطالعہ کے نتیجہ میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرا مگر اس تفصیل کی گنجائش نہیں ہے صرف مختصر طور پر اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ (۱) مسیحؑ کا صلیب پر صرف دو چار گھنٹے رہنا جو عام حالات میں ایک تندرست اور جوان انسان کے مرنے کے لئے کافی نہیں تھا (۲) صلیب پر سے اُترنے کے بعد اس کی حسبِ دستور ہڈیاں نہ توڑی جانا جب کہ اس کے ساتھ کے دو مصلوب مجرموں کی ہڈیاں توڑی گئیں (۳) اس وقت روئے زمین پر سخت اندھیرا چھا جانا اور خطرناک زلزلہ کا آنا (۴) پلاطوس رومی حاکم کی بیوی کی خواب کہ مسیحؑ بے گناہ ہے اسے چھوڑ دیا جاوے (۵) اگلا دن سبت کا دن ہونا جب کہ

شریعت کی رو سے صلیب پر کوئی مجرم نہ رکھا جا سکتا تھا(۶) پلاطوس کی مسیحؑ کو چھوڑ دینے کی خواہش (۷)خود مسیحؑ کی عاجزی اور تضرّع سے خدا کے حضور دُعائیں کرنا کہ یہ پیالہ اس سے ٹل جاوے (۸) پلاطوس کا مسیحؑ کی مزعومہ وفات کے متعلق شُبہ کرنا(۹) مسیحؑ کا اپنے آپ کو یونس نبیؑ کے ساتھ مشابہ قرار دینا جو تین دن مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہ کر آخر زندہ ہی باہر نکل آیا تھا(۱۰) مسیحؑ کے ہمدردوں اور دوستوں کی کوشش کہ مسیحؑ کسی طرح بچ جاوے (۱۱)ان کا اسے صلیب پر سے اُتارنے کے بعد اس کے جسم کو حکومت سے مانگنا اور اسے ایک ہوادار اور غار نُما کھُلی قبر میں رکھنا(۱۲)اس کے جسم سے برچھی مارنے پر خون کا نکلنا(۱۳) مسیح کے متعلق رازداری کے لئے پہرہ داروں کو رشوت دیا جانا(۱۴) مسیحؑ کا واقعہ صلیب کے بعد خفیہ طور پر قبر سے غائب ہونا اور اپنے بعض حواریوں سے ملنا اور اُنہیں اپنے زخم دکھانا اور اِدھر اُدھر آتے جاتے دیکھا جانا(۱۵)ایک مرہم کا موجود ہونا جو صدیوں سے طِب کی کتابوں میں مرہم عیسیٰ کے نام سے مشہور چلی آتی ہے اور جو اس کے زخموں کو لگائی گئی تھی(۱۶)اور پھر مسیحؑ کا یہ فرمانا کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں جس کی وجہ سے اس کا افغانستان اور کشمیر کی طرف جانا ضروری تھا جہاں بنی اسرائیل کے بہت سے قبیلے آباد تھے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ انجیل کی رو سے بھی ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ مسیحؑ صلیب پر مرا ہو بلکہ حق یہی ہے کہ وہ زخموں کی شدید تکلیف کی وجہ سے ایک گہری غشی کی حالت میں تھا لیکن جب اس کی اچھی طرح خبر گیری کی گئی تو وہ صحت یاب ہو گیا اور خفیہ طور پر اپنے مُلک سے ہجرت کر کے بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں دوسرے ملک کی طرف نکل گیا۔

آیت زیر بحث میں جو شُبِّہَ لَهُم کے الفاظ ہیں ان کے یہ معنی کرنا کہ کوئی اور شخص مسیحؑ کے ہم شکل بنا دیا گیا تھا بالکل غلط بلکہ مضحکہ خیز ہے۔اوّل تو یہ صریح ظلم ہے کہ ایک شخص کی جگہ دوسرے بے گناہ شخص کو صلیب پر چڑھا دیا جاوے۔ دوسرے یہ کہ ان الفاظ کے کسی قاعدہ کے ماتحت یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ مسیحؑ کی مثل کوئی اور شخص بنا دیا گیا۔ کیونکہ شُبِّہَ کا لفظ

ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کی ضمیر واحد غائب مستتر ہے[1] اور اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ "مشابہ بنا دیا گیا" اور یہی معنی ہمارے مخالف بھی قبول کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کون مشابہ بنا دیا گیا ہے اور کس کے مشابہ بنا دیا گیا؟ ہمارے مخالف مولوی صاحبان اِس موقع پر ایک بیرونی شخص کو خواہ مخواہ درمیان میں لے آتے ہیں کہ اسے مسیحؑ کے مشابہ بنا دیا گیا حالانکہ کسی بیرونی شخص کا اِس آیت میں کیا اس کے قریب قریب بھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مشابہ بنایا گیا اور جس کے مشابہ بنایا گیا ان دونوں کا آیت کے اندر یا اس کے قریب ذِکر ہونا چاہئے کسی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی چیز قرآنِ شریف کے اندر ڈال دے، یہ تو یہودیوں والی تحریف ہو جائے گی۔ آیت میں صرف مسیحؑ کا ذکر ہے یا اس بات کا ذکر ہے یہود نے دعویٰ کیا کہ مسیحؑ مقتول و مصلوب ہو گیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ انہی میں سے کوئی مشابہ بنا اور انہی میں سے کسی کے مشابہ بنا۔ اب غور کیجئے کہ آیت کے معنی کیسے صاف ہو گئے۔ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُم یعنی یہود نے مسیحؑ کو مقتول اور مصلوب ہرگز نہیں کیا لیکن مسیحؑ ان کی نظروں میں مشابہ بالمقتول والمصلوب ضرور ہو گیا اور یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ یہود کو مسیحؑ کے معاملے میں دھوکا لگا رہا۔ لوگوں نے سمجھا کہ مسیحؑ صلیب پر مر گیا ہے حالانکہ وہ صرف غشی کی حالت میں تھا جو بعد میں جاتی رہی اور علاج کے ساتھ مسیحؑ اچھا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو یہود کے شر سے بچانے کی یہ تدبیر فرمائی کہ ان کی نظروں میں مسیحؑ مشابہ بالمصلوب کر دیا گیا۔ لیکن خدا فرماتا ہے کہ اگر وہ غور کرتے اور اس معاملے میں صرف ظن کی پیروی نہ کرتے اور پوری تحقیقات سے کام لیتے تو ان کو پتہ لگ جاتا کہ وہ مسیحؑ کو صلیب پر مار ڈالنے پر قادر نہیں ہو سکے بلکہ كَفَّ اللّٰهُ عَنهُ بَنِي إِسرَائِيلَ۔

اب یہ تو فیصلہ ہوا کہ مسیحؑ صلیب پر لٹکایا تو گیا مگر وہ صلیب پر مرا نہیں بلکہ خدا نے اسے

---

[1] عربی زبان کے محاورہ کے مطابق یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ شُبِّهَ میں کوئی ضمیر مستتر نہ مانی جاوے بلکہ لَهُم کو ہی نائب فاعل قرار دیا جاوے۔ اس صورت میں وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُم کے یہ معنی ہوں گے کہ یہود پر معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ یہ معنی بھی عربی محاورہ کے مطابق بالکل درست اور صحیح ہیں۔

یہود کے فاسد ارادوں سے محفوظ رکھا۔ لیکن اس جگہ طبیعت میں یہ خیال ضرور اُٹھتا ہے کہ مسیحؑ اس کے بعد گیا کہاں ؟ شاید ناظرین کا خیال ہو کہ اس مسئلہ میں قرآنِ شریف خاموش ہو گا مگر نہیں جب وہ کسی مسئلے کو لیتا ہے تو پھر اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالتا ہے چنانچہ اس مسئلہ پر بھی وہ خاموش نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے :۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ٥ (المؤمنون : ۵۱)

”یعنی ہم نے مسیحؑ اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا اور ان دونوں کو ہم نے ایک ایسی جگہ کی طرف پناہ دی جو بلند تھی اور جس میں چشمے جاری تھے۔“

اس آیت میں جو آویٰ یعنی پناہ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ صاف طور پر اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ صلیب والے واقعہ کے بعد کا موقع ہے جب مسیحؑ یہود کے شر سے بال بال بچا۔ دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کیسے صاف الفاظ میں فرماتا ہے کہ مسیحؑ کو ایک بلند جگہ کی طرف پناہ دی گئی جو چشموں والی تھی ۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو کشمیر کا خِطّہ اس بیان کے ٹھیک مطابق اُترتا ہے۔ اسی لئے جب حضرت مرزا صاحبؑ کو اس معاملے کی طرف توجہ ہوئی تو ایک عرصہ کی تحقیقات کے بعد یہ صاف پتہ چل گیا کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے بچ کر افغانستان و کشمیر کی طرف ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسیحؑ کی بعثت بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے تھی جیسا کہ خود مسیحؑ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اب تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کی بعض قومیں مسیحؑ سے پہلے افغانستان و کشمیر کے علاقوں میں آکر آباد ہو گئی تھیں۔ دیکھ لیجئے کشمیر کا لفظ ہی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ مرکّب ہے کاف اور شمیر سے جو اصل میں اشیر تھا اور بگڑ کر شیر اور پھر ثِقلِ تلفّظ کی وجہ سے شمیر بن گیا۔ تو گویا کشمیر کے معنی ہوئے کاشیر یعنی اشیر کی طرح کا ملک۔ اور دُنیا جانتی ہے کہ اشیر عبرانی زبان میں اسیریا یعنی شام کے ملک کو کہتے ہیں۔ یہ نام کشمیر کا بنی اسرائیل ہی نے آکر رکھا تھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے اصلی وطن

کے نام پر لوگ اپنے نئے وطنوں کے نام رکھ لیا کرتے ہیں۔ اتنی تحقیقات کے بعد حضرت مرزا صاحبؑ نے کشمیر کی تاریخ تلاش کی تو پُرانے واقعات میں مل گیا کہ قریباً اُنیس سو سال ہوئے کہ کسی باہر کے ملک سے یہاں ایک شہزادہ نبی آیا تھا جس کا نام یوز آسف تھا جو صاف طور پر یسوع سے بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ آخر کار مسیحؑ کی قبر بھی محلہ خانیار سری نگر میں مل گئی۔ اس قبر کے متعلق بھی موقع کی شہادت اور تاریخ سے پتہ لیا گیا تو یہی معلوم ہوا کہ یہ اسی یوز آسف کی قبر ہے جو اُنیس سو سال ہوئے کشمیر میں آیا تھا۔ مزید ثبوت یہ ملا کہ وہ قبر اور اس کے ساتھ والی مسیحؑ کی ماں کی قبر ٹھیک اسی طرز پر بنی ہوئی ہیں جس طرح بنی اسرائیل کی قبریں ہوتی تھیں۔ علاوہ اس کے مسیحؑ کی ہجرت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ لفظ مسیح کے معنی لمبے سفر کرنے والے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسیحؑ کے سوا اور کسی نبی نے اتنے لمبے سفر نہیں کئے۔ پھر ایک حدیث میں بھی آتا ہے کہ :۔

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیْسٰی اَنْ یَا عِیْسٰی اِنْتَقِلْ مِنْ مَکَانٍ اِلٰی مَکَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُوْذٰی (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۴)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وحی کی کہ اے عیسیٰ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکل جا تا ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جاوے اور تجھے تکلیف میں ڈالا جاوے۔"

یہ حدیث صراحت کے ساتھ صلیب کے بعد والے حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے کیونکہ اسی وقت یہ ڈر پیدا ہوا تھا کہ اگر یہود مسیحؑ کو دوبارہ دیکھ لیں گے تو پھر دوبارہ شرارت کریں گے۔

نزول کی اصل حقیقت

اس کے بعد ہم پھر اپنے اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے رفع اور نزول کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے مخالف مولوی صاحبان مسیحؑ کے آسمان پر زندہ جانے کے ثبوت میں ایک دلیل یہ دیا کرتے ہیں کہ احادیث میں آنے والے مسیح کے

متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو اُترنے کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسیح ناصریؑ آسمان سے نازل ہوں گے اور ظاہر ہے کہ آسمان سے وہ صرف اِس صورت میں ہی نازل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہوں۔ اس کے جواب میں اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ اوّل تو کسی صحیح حدیث میں مسیحؑ کے متعلق نزول کے ساتھ سمَاء کا لفظ استعمال نہیں ہوا تا آسمان سے اُترنے کے معنی لئے جاویں۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے کئی ہزار روپیہ انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا جو کوئی مرفوع متصل صحیح حدیث ایسی پیش کرے جس میں مسیحؑ کے متعلق زندہ آسمان پر جانے اور پھر آسمان سے نازل ہونے کے الفاظ نبی کریم ﷺ نے فرمائے ہوں مگر آج تک کوئی مخالف ایسی حدیث پیش نہیں کر سکا۔ اس سے ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کوئی ایسی حدیث موجود ہی نہیں۔

علاوہ اس کے نزول کے معنوں پر بھی غور نہیں کیا گیا۔ عربی زبان میں نزول کے معنی ظاہر ہونے اور آنے کے بھی ہیں جیسا کہ لغت کی کتب سے ظاہر ہے۔ خود قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ (سورہ طلاق رکوع ۲)

"یعنی اللہ نے تمہاری طرف یاد کرانے والا رسول بھیجا ہے جو تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔"

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ نبی کریمؐ آسمان سے نہیں اترے تھے بلکہ عربوں میں ہی پیدا ہو کر مبعوث کئے گئے تھے۔ چنانچہ قرآنِ کریم فرماتا ہے :۔

قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ

"یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول تم میں تمہیں میں سے ظاہر کیا ہے۔"

پھر قرآن شریف فرماتا ہے :۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (سورہ حدید رکوع ۳)

”یعنی ہم نے لوہا اُتارا ہے جس میں لڑائی کا ساز و سامان ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔“

لیجئے لوہا بھی آسمان سے اُتر رہا ہے حالانکہ سب اُسے زمین سے ہی کھود کر نکالا جاتا دیکھتے ہیں۔ پھر فرمایا :۔

یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ (اعراف رکوع ۳)

”یعنی اے بنی آدم ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمہارے برہنہ پن کو ڈھانپتا ہے۔“

اس آیت میں لباس کے لئے بھی نزول کا لفظ بیان ہوا ہے، حالانکہ لباس تو رُوئی وغیرہ سے زمین پر ہی تیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآنِ شریف فرماتا ہے :۔

وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (زمر رکوع ۱)

”یعنی خدا نے تم پر چارپائے اُتارے ہیں۔ حالانکہ گھوڑے گدھے اور بیل سب زمین پر ہی پیدا ہوتے ہیں۔“

ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ نزول کے معنی ہمیشہ لفظی طور پر اُترنے کے ہی نہیں ہوتے بلکہ اکثر دفعہ نزول کا لفظ اس چیز کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی نوع انسان کو بطور ایک انعام کے دی جاتی ہے اور چونکہ ایسی نعمت خدا کی طرف سے آتی ہے اس لئے اس کے متعلق نزول کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات عربی محاورہ میں نزول کا لفظ مطلق ظاہر ہونے کے معنے بھی دیتا ہے۔ اور یہ تو خیر سب لوگ جانتے ہیں کہ نزیل کا لفظ مسافر پر بھی بولا جاتا ہے اور جس جگہ سفر کے بعد قیام کیا جاوے اس کو منزل کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے بعض احادیث میں مسیحؑ کے متعلق بعث اور خروج کے الفاظ بھی آئے ہیں (کنز العمال) جو نزول کے معنوں کی بڑی صراحت کے ساتھ تعیین کر دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں جو مفہوم بعث اور خروج اور نزول میں مشترک ہے (یعنی ظاہر ہونے کا) وہی درست اور صحیح مانا جائے گا۔ پس لفظ نزول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیحؑ آسمان سے نازل ہوگا ایک سخت غلط راہ ہے جس سے ہر عقلمند کو پرہیز لازم ہے۔ قرآنِ کریم کسی بشر

کے آسمان پر بجسمِ عنصری جانے کو صاف الفاظ میں ممتنع قرار دیتا ہے۔ حدیث مسیحؑ کے آسمان پر زندہ جا بیٹھنے پر کوئی گواہی نہیں دیتی بلکہ مخالف ہے اور عقلِ انسانی اِس عقیدے کو دُور سے ہی دھکّے دیتی ہے تو پھر خواہ مخواہ حضرت مسیحؑ کو کیوں آسمان پر بیٹھا ہوا تصوّر کیا جاوے۔

باب دوم

(وفاتِ مسیحؑ کے مسئلے کی بحث)

دوسرا حصّہ اس مضمون کا مخصوص طور پر وفاتِ مسیحؑ کے متعلق ہے۔ اب تک میں نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر زندہ بجسمِ عنصری تشریف نہیں لے گئے اور اس کی تائید میں بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ پیش کی ہیں۔ اگر کوئی صاحب ٹھنڈے دل سے غور فرماویں تو اُن پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح ناصریؑ کو بجسمِ عنصری آسمان کی طرف اُٹھالیا گیا۔ اب میں بتاتا ہوں کہ مسیحؑ وفات بھی پاچکا ہے۔

نبی کریم سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں وہ سب وفات پاچکے ہیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (سورہ آل عمران رکوع ۱۵)

"یعنی محمد ﷺ اللہ کے صرف ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے جتنے رسول ہوئے ہیں وہ سب گزر گئے تو کیا اگر محمد ﷺ بھی طبعی موت سے فوت ہو جاویں یا قتل کر دیئے

جاویں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے ؟

یہ آیت صاف طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی موت کی خبر دیتی ہے اور ان کی نسبت بتاتی ہے کہ وہ سب کے سب وفات پا چکے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ناصریؑ بھی ایک رسول تھے جو چھ سو سال نبی کریم ﷺ سے پہلے مبعوث کئے گئے تھے۔ پس لامحالہ ماننا پڑا کہ وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اگر اس آیت پر یہ اعتراض کیا جائے کہ خَلَا کے معنی صرف گزر جانے کے ہیں لہٰذا اِس آیت سے یقینی طور پر موت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر ایک شخص زندہ آسمان پر اُٹھا لیا جاوے تو اس کی نسبت بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں رہا اور گزر گیا ہے تو اِس اعتراض کے جواب میں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ عربی زبان میں خَلَا کے معنی مَاتَ (یعنی وہ مر گیا) کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ تاج العروس جو لغت عربی کی سب سے بڑی اور نہایت مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ :-

خَلَا فُلَانٌ : اِذَا مَاتَ

”یعنی جب کوئی شخص مر جاوے تو کہتے ہیں کہ خَلَا فلان یعنی فلاں شخص مر گیا۔“

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ خود اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خَلَا کے معنوں کی تعیین کر دی ہے جیسا کہ فرمایا :-

اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

”یعنی اگر محمدؐ رسول اللہ طبعی موت سے مر جاویں یا قتل کر دیئے جاویں“

تو گویا اِس جگہ لفظ خَلَت کے معنی لازمی طور پر ان دو صورتوں میں سے ایک کے ہونے چاہئیں یعنی یا تو یہ کہ وہ طبعی موت سے مر گئے اور یا وہ قتل ہوئے۔ یہ الفاظ کہ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ صاف بتا رہے ہیں کہ گزشتہ انبیاء کا گزر جانا انہی دو صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوا تھا۔ یعنی یا تو وہ طبعی موت سے وفات پاتے رہے اور یا پھر قتل ہو جاتے رہے۔ اگر گزشتہ نبیوں سے کوئی نبی آسمان کی طرف اُٹھایا گیا ہوتا یا مذکورہ دو طریقوں کے سوا کسی اور طریق

سے کسی گزشتہ نبی کا گزر جانا واقع ہوا ہوتا تو لازماً اِس جگہ اُس صورت کا ذِکر ہونا چاہئے تھا یا کم از کم مسیحؑ کی استثنائی صورت ہی بیان کر دی جاتی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں خَلاَ کے معنی یا تو طبعی موت سے مرنے کے لئے جاویں گے اور یا قتل کے ذریعے اس جہانِ فانی کو چھوڑ جانے کے۔ لیکن چونکہ مسیحؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی صاف گواہی موجود ہے کہ مَاقَتَلُوہُ یعنی مسیحؑ کے مخالف اس کے قتل پر قادر نہیں ہوئے اس لئے لامحالہ دوسری صورت ہی تسلیم کرنی ہو گی یعنی یہ ماننا پڑے گا کہ مسیحؑ نے موت کے ذریعے سے اس جہان کو چھوڑا ہے۔ وھوالمراد۔ آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے مفسّرین بھی عموماً اس آیت کے ساتھ یہ الفاظ لگا دیتے ہیں کہ :۔

وَسَیَخْلُوْا کَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ۔

”یعنی نبی کریم ﷺ بھی اسی طرح دُنیا کو چھوڑ جائیں گے جس طرح گزشتہ انبیاء طبعی موت کے ذریعے یا قتل کے ذریعے دُنیا کو چھوڑتے رہے ہیں۔“

وفاتِ مسیحؑ پر صحابہ کا اجماع

اِس آیت کے معنی اور بھی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں جب ہم اس کو ایک مشہور تاریخی واقعہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں حدیث میں لکھا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عمرؓ ابھی تک آپ ﷺ کو زندہ ہی سمجھ رہے تھے اور کہتے تھے کہ آپ پھر واپس آجائیں گے اور کفار اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے وہ اپنے اس خیال پر اس قدر جمے ہوئے تھے کہ انہوں نے تلوار کھینچ کر اعلان کرنا شروع کیا کہ جو کوئی بھی نبی کریمؐ کو فوت شدہ کہے گا میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور صحابہؓ کے سامنے یہی آیت پڑھی کہ :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ۔

”یعنی محمدؐ تو صرف ایک رسول تھے ان سے پہلے جو رسول گزرے ہیں وہ سب فوت ہو

چکے ہیں۔ الخ۔

لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پر اس بات کے سننے سے اس قدر غم طاری ہوا کہ وہ زمین پر گر گئے کیونکہ انہوں نے اس وقت محسوس کر لیا جسے وہ اپنے غم کے وقتی جوش میں نہیں محسوس کر رہے تھے کہ ان کا پیارا آقا بھی اللہ کا صرف ایک رسول تھا جس نے گزشتہ انبیاء کی طرح موت کے دروازے سے گزرنا تھا۔ (بخاری کتاب المناقب)

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی گزشتہ نبی اس وقت تک زندہ ہوتا تو حضرت ابو بکرؓ کے اِس استدلال پر کہ چونکہ پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں اس لئے طبعاً سیّدنا محمد رسول اللہؐ کو بھی فوت ہونا چاہئے صحابہ کرامؓ ضرور اعتراض کرتے اور خصوصاً حضرت عمرؓ اور ان کے ہم خیال لوگ جو پہلے ہی سے آنحضرتؐ کو ابھی تک زندہ تصوّر کر رہے تھے وہ ضرور چلا اُٹھتے کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو؟ مگر سب صحابہؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ اتفاق کر کے اِس استدلال پر مہر لگادی کہ رسول اللہؐ سے پہلے سب نبی فوت ہو چکے ہیں۔ گویا آنحضرتؐ کے بعد صحابہؓ کا سب سے پہلا اجماع (بلکہ حق یہ ہے کہ اسلام کا واحد اجماع) یہی تھا کہ گزشتہ انبیاء تمام کے تمام فوت ہو چکے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ مسیح ناصریؑ کی وفات پر یہ کیسی صاف اور واضح دلیل ہے مگر افسوس حضرت مرزا صاحبؑ کے مخالفین اِس قسم کی صاف اور قطعی دلیل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے اور یہی کہے جاتے ہیں کہ بَل نَتَّبِعُ مَاأَلفَینَا عَلَیهِ اٰبَاءَ نَا۔ مگر حل طلب امر یہ ہے کہ اَوَ لَوکَانَ اٰبَاؤُھُم لَا یَعقِلُونَ شَیئاً وَّلَا یَھتَدُونَ۔ اچھا اب آگے چلئے۔

مسیح ناصریؑ کا رفع وفات کے بعد ہوا

قرآنِ مجید فرماتا ہے:۔
یَا عِیسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِینَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِینَ اتَّبَعُوكَ فَوقَ الَّذِینَ كَفَرُوا

اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

(سُورہ آلِ عمران رکوع ٦)

"یعنی اے عیسٰی میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا اور تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا اور تجھے پاک کروں گا اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکرین پر غالب رکھوں گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح ناصریؑ سے چار وعدے فرمائے ہیں جو ایک خاص ترتیب میں واقع ہوئے ہیں۔ یعنی (۱) وفات اور (۲) رفع اور (۳) تطہیر اور (۴) غلبہ۔ اب یہ خیال کرنا کہ پچھلے تین وعدے تو پورے ہو چکے ہیں مگر پہلا وعدہ ابھی تک پورا ہونے میں نہیں آیا صریح ہٹ دھرمی ہے۔ قرآنِ شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے الفاظ موتیوں کی طرح اپنی اپنی جگہ پر جڑے گئے ہیں۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ قرآن کے الفاظ کو اُلٹ پلٹ دے۔ اگر اس طرح ہونے لگے تو امان اُٹھ جاوے۔ یہود کو اِسی واسطے اللہ تعالیٰ لعنت ملامت کرتا ہے کہ

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ

"یعنی وہ بد بخت لوگ الٰہی کلام میں دست بُرد کرتے اور الفاظ کو اپنی جگہ سے اُلٹ پلٹ کر دیتے تھے۔"

مگر ہائے افسوس کہ آج مسلمانوں نے بھی وہی کیا جو یہودی لوگ کیا کرتے تھے اور صرف حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت کی وجہ سے کہہ دیا کہ دراصل اس آیت میں رَافِعُکَ پہلے رکھنا چاہئے اور مُتَوَفِّیکَ بعد میں رکھنا چاہئے تا کہ کسی طرح مسیحؑ زندہ ثابت ہو جائے لیکن کم از کم بعض مفسّرین نے اور آج کل کے مولویوں کی اِس کوشش نے ہم کو یہ واضح طور پر بتا دیا کہ مُتَوَفِّیکَ کے معنی دراصل ان کے نزدیک بھی وفات دینے کے ہی ہیں ورنہ تقدیم تاخیر کی کوشش کے کیا معنی؟ چونکہ ان کا دل کہتا ہے کہ مُتَوَفِّیکَ کے معنی مارنے کے ہی ہیں اس لئے وہ تقدیم تاخیر کی آڑ لے کر تاویل کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال اب معاملہ بالکل

صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ کیا کہ وہ اس کو وفات دے گا اور اس کو اپنی طرف اُٹھائے گا اور اس کو کافروں کے الزامات سے پاک کرے گا اور اس کے متبعین کو قیامت کے دن تک اس کے منکرین پر غالب رکھے گا۔ ہمارے مخالف یہ مانتے ہیں کہ دوسرا وعدہ جو مسیحؑ کے رفع سے تعلق رکھتا ہے وہ پورا ہو چکا اور خدا نے مسیحؑ کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور تیسرے وعدے کے مطابق قرآنِ شریف کے ذریعے اللہ نے یہود کے الزامات سے مسیحؑ کو پاک بھی ثابت کر دیا اور بالآخر چوتھے وعدے کے مطابق مسیحؑ کے متبعین کو اس کے منکرین پر غلبہ بھی حاصل ہو گیا مگر تعجب ہے کہ تاحال سب سے پہلا وعدہ یعنی وفات والا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ پہلا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ اِس صورت میں اس وعدے کے ایفا کا وقت بہر حال آخری وعدے کے بعد آئے گا کیونکہ آخری تین وعدے پورے ہو چکے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ آخری وعدہ کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے جیسا کہ اِلیٰ یَومِ القِیَامَۃِ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ تو گویا قیامت تک تو حضرت مسیحؑ پر موت آتی نہیں اور جب قیامت آئے گی اور دُنیا بھر کے مُردے قبروں سے اُٹھائے جائیں گے اُس وقت مسیحؑ کی رُوح قبض کی جائے گی۔ مگر اس میں ایک اور مشکل کا سامنا ہے اور وہ یہ کہ قیامت کا دن تو زندہ کرنے کا دن ہے نہ کہ مارنے کا تو گویا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت مسیحؑ موت کے پنجے سے بالکل ہی چھوٹ گئے۔ چلو فیصلہ ہوا۔

اِس مضمون پر حضرت مرزا صاحبؑ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

”توفّی کا لفظ اگر آیت کے سر پر سے اُٹھا دیا جاوے تو اس کو کسی دوسرے مقام میں قیامت سے پہلے رکھنے کی کوئی جگہ نہیں۔ سو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے بعد مریں گے اور پہلے مرنے سے یہ ترتیب مانع ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ قرآنِ شریف کی یہ کرامت ہے کہ ہمارے مخالف یہودیوں کی طرح قرآنِ شریف کی تحریف پر آمادہ تو ہوئے مگر قادر نہیں ہو سکے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں فقرہ رَافِعُکَ کو اپنے مقام سے اُٹھا کر اُس جگہ رکھا جاوے۔ ہر ایک جگہ کی خانہ پُری ایسے طور سے ہو چکی ہے کہ دست

انداز ی کی گنجائش نہیں۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

الغرض ہم مجبور ہیں کہ جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے جو حکیم اور علیم ہے قرآنی الفاظ کی رکھی ہے اس کو قبول کریں اور اپنی طرف سے ایک نیا قرآن نہ بنائیں۔ پس چونکہ پچھلے تین وعدے مسلّمہ طور پر پورے ہو چکے ہیں اس لئے لامحالہ ماننا پڑا کہ پہلا وعدہ جو مسیحؑ کی وفات کے متعلق ہے وہ بھی پورا ہو چکا ہوگا۔ ضمناً یہ آیت رفع کے معنی بھی واضح کر رہی ہے کیونکہ رفع کا وعدہ وفات کے وعدے کے بعد اللہ نے رکھا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ اس جگہ رفع انہی معنوں میں ہے جو آیت یَاَیَّتُہَا النَّفسُ المُطمَئِنَّۃُ ارجعِی اِلیٰ رَبّکِ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی جس طرح موت کے بعد نیک ارواح کا اللہ کی طرف رفع ہوا کرتا ہے بدارواح کا اللہ کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ انہی معنوں میں مسیحؑ کا رفع ہوا۔

لفظ مُتَوَفّیکَ کے معنی

اِس آیت کے متعلق بعض مخالف کہا کرتے ہیں کہ اس میں جو لفظ مُتَوَفّیکَ واقع ہوا ہے اس کے معنی قبض رُوح یعنی وفات دینے کے نہیں ہیں بلکہ سارے کا سارا اُٹھا لینے کے ہیں۔ اس کے جواب میں پیشتر اس کے کہ میں لُغت کے حوالے سے توفّی کے معنی ظاہر کروں حضرت مرزا صاحبؑ کی ایک تحریر نقل کئے دیتا ہوں جس میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں :۔

> "خدا تعالیٰ نے قرآنِ شریف کے تئیس (۲۳) مقامات میں لفظِ توفّی کو قبض رُوح کے موقع پر استعمال کیا ہے۔ اوّل سے آخر تک قرآن شریف میں کسی جگہ لفظ توفّی کا ایسا نہیں جس کے بجز قبضِ رُوح اور مارنے کے اور معنی ہوں۔ اور پھر ثبوت پر ثبوت یہ کہ صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مُتَوَفّیکَ کے معنی مُمِیتُکَ لکھے ہیں۔ ایسا ہی تفسیر فوز الکبیر میں بھی یہی معنی مندرج ہیں اور کتاب عینی تفسیر بخاری میں اس قول کا اسناد بیان کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ احادیث میں جہاں

کہیں توفّی کا لفظ کسی صیغہ میں آیا ہے اس کے معنی مارنا ہی آیا ہے جیسا کہ محدثین پر پوشیدہ نہیں اور علم لُغت میں یہ مُسلّم اور مقبول اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جہاں خدا فاعل اور انسان مفعول بہ ہے وہاں بجز مارنے کے اور کوئی معنی توفّی کے نہیں آتے۔ تمام دواوین عرب اس پر گواہ ہیں۔ اب اس سے زیادہ ترکِ انصاف کیا ہوگا کہ قرآن بلند آواز سے فرما رہا ہے کوئی نہیں سنتا۔ حدیث گواہی دے رہی ہے کوئی پروا نہیں کرتا۔ علم لُغت عرب شہادت ادا کر رہا ہے کوئی اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ دواوینِ عرب اِس لفظ کے محاورات بتلا رہے ہیں کسی کے کان کھڑے نہیں ہوتے۔“ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴)

مزید تسلّی کے لئے لُغت ملاحظہ ہو، چھوٹی موٹی لُغت کی گواہی تو ہمارے مولوی صاحبان شاید ٹال دیں اس لئے ہم سب سے بڑی اور مشہور و مستند کتاب تاج العروس کو شہادت میں پیش کرتے ہیں۔ تاج العروس میں لکھا ہے :۔

” تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ “

”یعنی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اس کی رُوح قبض کر لی۔“

اور یہ بھی لکھا ہے :۔

تُوُفِّیَ فُلَانٌ : اِذَا مَاتَ

”یعنی تُوُفِّی فَلان کے یہ معنی ہیں کہ فلاں شخص مر گیا۔“

پھر علامہ زمخشری مصنّف تفسیر کشاف متوفیک کے معنی لکھتے ہیں :۔

مُمِیْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ

”یعنی میں تجھے تیری طبعی موت سے وفات دوں گا۔“

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ متوفیک کے معنی مُمیتُکَ کے ہیں یعنی میں تمہیں وفات دوں گا۔
(بخاری کتاب التفسیر)

پس یہ بات یقینی ہے کہ آیت زیر بحث میں اِنّی مُتَوَفِّیکَ کے معنی صرف یہی ہیں کہ میں تجھ کو وفات دوں گا۔ اس میں شک نہیں کہ چونکہ توفّی کے اصل معنی قبض روح کے ہیں جو ایک حد تک نیند میں بھی ہوتا ہے اس لئے توفّی کا لفظ بعض اوقات صرف نیند کے وقت قبض رُوح کرنے کے معنی بھی دیتا ہے مگر ان معنوں کے لئے کسی قرینہ کا ہونا لازمی ہوتا ہے ورنہ جب یہ لفظ بغیر قرینہ کے استعمال ہو اور خدا فاعل ہو اور انسان مفعول بہٖ ہو تو لا محالہ اس کے معنی وفات دینے کے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحبؑ بانی سلسلہ احمدیہ نے مخالف مولویوں کو چیلنج دیا تھا کہ وہ قرآنِ شریف یا حدیث یا عرب کی کسی مستند کتاب میں یہ دکھادیں کہ جب خدا فاعل ہو اور کوئی مذکور انسان مفعول بہٖ ہو تو توفّی کے معنی قبض روح کے سوا کوئی اور مراد ہوں مگر آج تک کوئی مخالف مولوی اس کا جواب نہیں دے سکا۔

علاوہ ازیں خود آیت زیر بحث بھی مُتَوَفِّیکَ کے معنی صاف بتا رہی ہے کیونکہ اگر مُتَوَفِّیکَ کے معنی یہ ہیں کہ پورا اُٹھا لینا تو رَافِعُکَ کا لفظ الگ ذِکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ اس آیت میں رافعُک کا لفظ اِس بات پر یقینی شہادت ہے کہ مُتَوَفِّیک کا لفظ رَافِعُکَ سے الگ مفہوم رکھتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو فرماتا ہے :۔

اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس رکوع ۱۵)

”یعنی ہم جو کفار کو عذاب کے وعید دے رہے ہیں ان میں یا تو بعض تجھے دکھاویں گے اور یا تجھے وفات دے دیں گے۔“

پھر قرآن میں لکھا ہے :۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (اعراف رکوع ۱۴)

”یعنی اے ہمارے رب ہم کو صبر کی کامل توفیق عطا کر اور ہمیں اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔“

غرض توفّی کے لفظ پر اڑنا پرلے درجے کی ہٹ دھرمی ہے اور پھر تعجب یہ کہ جب کسی اور شخص کے لئے یہی لفظ توفّی کا استعمال ہو تو اس کے معنی وفات دینے کے کئے جاتے ہیں

لیکن جہاں یہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق استعمال ہوا فوراً اس کے معنی آسمان کی طرف اُٹھا لینے کے کر دیئے جاتے ہیں! افضل الرسل حضرت محمّد رسول ﷺ کے متعلق تو وفات دینے کے معنی رہے لیکن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آسمان پر لے جانے کے معنی پیدا ہو گئے۔ یہ کیسا انصاف ہے اور کیسی غیرت ہے؟ نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔

مسیحؑ کا اپنی وفات کے متعلق خود اپنا اقرار

یہاں تک جو آیات میں نے وفاتِ مسیحؑ کے متعلق لکھی ہیں ان سے بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ناصریؑ وفات پا چکا ہے اور اس بارے میں خود خدا کی شہادت اُوپر درج ہو چکی ہے۔ دراصل اگر تعصّب کی پٹی آنکھوں سے اُتار کر دیکھا جاوے تو مسیحؑ کی وفات کا مسئلہ ایسا صاف ہے کہ کسی شک وشُبہ کی گنجائش نہیں مگر جنہوں نے نہیں ماننا وہ نہیں مانتے۔ اچھااب میں مسیحؑ کی خود اپنی وفات کے متعلق شہادت پیش کرتا ہوں۔ شاید اگر اللہ تعالیٰ کی گواہی پر پوری تسلّی نہ ہوئی ہو تو مسیحؑ کا اپنا بیان ہی کسی گم کردہ راہ کی تشفّی کا موجب ہو جاوے قرآن شریف فرماتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ ط اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ط تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ ج وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(سورۃ المائدہ رکوع ۱۶)

"یعنی خدا (قیامت کے دن) کہے گا کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تُو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو دو خدا مان لو اللہ کے سوا۔ تو اس پر حضرت عیسیٰؑ جواب دیں گے پاک ہے تیری ذات مجھے زیبا نہیں کہ کہوں وہ بات جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہے تو تُو اسے جانتا ہے۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے لیکن میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ تو بے شک سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان کو اِس بات کے سوا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا اور کچھ نہیں کہا اور وہ یہ کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا دونوں کا پروردگار ہے۔ اور میں ان پر نگران رہا جب تک کہ میں ان کے درمیان رہا۔ لیکن جب اے خدا تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو تُو ہی ان کو دیکھنے والا تھا اور تو ہر ایک چیز پر نگران ہے۔"

یہ آیت مسیحؑ کی وفات پر دلیل کا ایک سورج چڑھا دیتی ہے۔

کُنتُ عَلَیھِم شَھِیدًا مَّا دُمتُ فِیھِم فَلَمَّا تَوَفَّیتَنِی کے الفاظ میں مسیحؑ صرف دو زمانوں کا ذکر کرتا ہے جن میں سے وہ یکے بعد دیگرے گزرا۔ پہلا زمانہ وہ ہے جب مسیحؑ اپنے متبعین کے اندر موجود تھا اور دوسرا زمانہ جو پہلے کے ساتھ ملحق اور متصل ہے وہ مسیحؑ کی وفات کا زمانہ ہے۔ اب اگر مسیحؑ واقعی آسمان پر گیا ہوتا تو اس کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ

مَا دُمتُ فِیھِم فَلَمَّا رَفَعتَنِی اِلَی السَّمَاءِ حیًّا

"یعنی میں اپنے متبعین پر نگرانِ حال رہا جب تک میں ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے زندہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا"۔ الخ۔

مگر مسیحؑ کا جواب یہ نہیں بلکہ مسیحؑ نے اپنے متبعین کے درمیان رہنے والے زمانے کے بعد دوسرا زمانہ جس کا ذکر کیا ہے وہ صرف اپنی وفات کا زمانہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیحؑ آسمان پر نہیں اُٹھایا گیا بلکہ جس طرح دوسرے انسان فوت ہو چکے ہیں اسی طرح وہ بھی فوت ہو گیا۔ آیت زیرِ بحث ہم کو صاف الفاظ میں بتاتی ہے کہ وہ چیز جو مسیحؑ کے پہلے زمانہ یعنی متبعین کے درمیان رہنے والے زمانے کو کاٹنے والی اور ایک نیا دور شروع کرنے والی ہے وہ مسیحؑ کی وفات ہے جیسا کہ مَا دُمتُ فِیھِم فَلَمَّا تَوَفَّیتَنِی کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اگر پہلے زمانے کو کاٹنے والی چیز آسمان پر جانا ہوتا تو مسیحؑ کا یہ جواب بالکل غلط ٹھیرتا ہے۔

پھر یہی نہیں بلکہ اس آیت میں حضرت مسیحؑ اپنی وفات کا وقت بھی ہم کو بتاتے ہیں کیونکہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی پرستش کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اور میں جب تک ان کے درمیان رہا ان پر نگران رہا۔" جس کے یہ معنی ہیں کہ جب تک میں ان میں رہا میں نے ان کو سیدھے راستے سے بھٹکنے نہیں دیا۔ اس طرح گویا مسیحؑ اپنے متبعین کے گمراہ ہو جانے کے متعلق اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ مسیحی لوگ حضرت مسیحؑ کی وفات کے بعد گمراہ ہوئے تھے۔ مگر قرآن ہم کو بتا رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی مسیحی لوگ راہِ راست چھوڑ بیٹھے تھے اور گمراہ ہو چکے تھے جیسا کہ فرمایا:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (سورہ المائدہ رکوع ۱۰)

"یعنی ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔"

پس ثابت ہوا کہ کم از کم نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک سے پہلے پہلے مسیحؑ وفات پا چکا تھا۔ خوب غور کرو کہ مسیحؑ کا یہ جواب صاف شہادت دے رہا ہے کہ عیسائی لوگ مسیحؑ کی وفات کے بعد بگڑے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسائی بگڑ چکے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں بگڑے تو خیر مسیحؑ بھی شاید زندہ ہو گا۔ لیکن اگر وہ بگڑ چکے ہیں اور ضرور بگڑ چکے ہیں تو پھر اس بات کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ مسیحؑ فوت ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ مان لیا جاوے کہ مسیحؑ اب

تک آسمان پر زندہ موجود ہے اور آخری زمانے میں قیامت سے پہلے نازل ہوگا تو پھر اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ قیامت سے پہلے ہی اپنی اُمّت کے بگڑ جانے سے واقف ہو جائے گا اور اسے معلوم ہو جائے گا کہ میری اُمّت مجھ کو خدا بنا رہی ہے تو اس صورت میں وہ کس طرح اپنی ناواقفیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ یقیناً مسیحؑ کی طرف سے یہ نعوذ باللہ ایک سیاہ جھوٹ ہوگا اگر وہ باوجود علم رکھنے کے پھر لاعلمی کا اظہار کرے۔ ایک گندے سے گندہ آدمی بھی خدا کے حضور ایسے صریح جھوٹ کی جرأت نہیں کر سکتا تو پھر مسیحؑ جو ایک خدا کا پیارا بندہ اور اس کا رسول تھا وہ کس طرح ایسا صریح جھوٹ بولے گا۔ فافهم وتدبر ولا تكن من الممترين۔

حدیث میں اس آیت کی تفسیر

ایک حدیث بھی اس آیت کے معنوں کو روزِ روشن کی طرح ظاہر کر دیتی ہے اور وہ یہ کہ ہے حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں گا اور اپنے متبعین کو اس مبارک چشمے کا پانی تقسیم کر رہا ہوں گا اچانک لوگوں کا ایک گروہ میرے سامنے آئے گا جن کو فرشتے دوسری طرف دھکیلے لئے جا رہے ہوں گے میں ان کو دیکھ کر چلا اُٹھوں گا۔ أُصيحَابي أُصيحَابِي "یعنی یہ تو میرے صحابہ ہیں، یہ تو میرے صحابہ ہیں۔" اس پر فرشتے کہیں گے۔

إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَىٰ أَعْقَابِهِمْ

"یعنی آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا۔ یہ تو آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے۔"

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سُن کر میں وہی کہوں گا جو ایک نیک بندہ عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا کہ :۔

كُنتُ عَلَيهِم شَهِيداً مَّا دُمتُ فِيهِم فَلَمَّا تَوَفَّيتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِم۔

”یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان کی نگرانی کرتا رہا۔ لیکن پھر جب اے خدا تو نے مجھ کو وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کو دیکھنے والا تھا۔“ (بخاری کتاب التفسیر)

دیکھئے! نبی کریم ﷺ نے وہی الفاظ اپنے متعلق استعمال کئے جو حضرت عیسیٰؑ نے کئے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ نبی کریمؐ آسمان پر نہیں اُٹھائے گئے بلکہ موت نے ہی آپؐ کو آپؐ کے متبعین سے الگ کیا تھا۔ یہی معنی عیسیٰؑ کے متعلق لینے چاہئیں۔ نیز غور کرو کہ کس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنا حال عیسیٰؑ ابن مریم کے حال سے مشابہ قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس طرح عیسیٰؑ بن مریم اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا اسی طرح میں بھی اپنی لاعلمی ظاہر کروں گا۔ اور یہ اُوپر بتایا جا چکا ہے کہ اگر مسیح ناصریؑ آخری زمانے میں نازل ہو تو پھر وہ ضرور اپنی اُمّت کے بگڑ جانے سے قیامت سے پہلے ہی واقف ہو جائے گا اس لئے اس کے لئے قیامت کے دن اپنی لاعلمی ظاہر کرنا ایک سیاہ جھوٹ ہے۔ کیا مسیحؑ کے متبعین میں سے کوئی شخص اس وقت اُٹھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ ”اے خدا تیرے اس پیغامبر نے ایک ایسا جھوٹ بولنے کی جرأت کی ہے جس پر قریب ہے کہ زمین و آسمان پھٹ جاویں۔ یہ آخری زمانے میں دوبارہ دُنیا میں آیا اور اس نے ہم کو اس کی خدائی مانتے اور لوگوں سے منواتے دیکھا جس کی وجہ سے اس نے ہمارے خلاف جنگ کی اور چالیس سال تک اس نے زمین میں ایک شور مچائے رکھا اور اس نے اُس وقت تک اپنی تلوار نیام میں نہیں کی جب تک اس نے ان تمام لوگوں کو تلوار کی گھاٹ نہیں اُتار لیا جنہوں نے اس کی بات کا انکار کیا مگر اب خداوند یہ اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔“ افسوس حضرت مرزا صاحبؑ کی مخالفت میں لوگ اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ خدا کے ایک عظیم الشان نبی پر الزام لگانے سے بھی نہیں رُکے مگر مرزا صاحبؑ کو سچا ماننا گوارا نہ کیا۔ قرآن مجید کیا خوب فرماتا ہے:۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ (سورہ یٰسین رکوع ۲)

"یعنی افسوس لوگوں پر کہ وہ ہر رسول کے ساتھ ٹھٹھا ہی کرتے آئے ہیں۔"

آیت زیرِ بحث توفّی کے معنی بھی واضح کر رہی ہے کیونکہ نبی کریمؐ نے اپنے متعلق یہی الفاظ استعمال کئے ہیں کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ یعنی جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ اگر توفّی کے معنی وفات دینے کے نہ ہوتے بلکہ اُٹھا لینے کے ہوتے جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو نبی کریم ﷺ یہ الفاظ اپنے متعلق ہرگز استعمال نہ کرتے کیونکہ آپؐ تو آسمان کی طرف نہیں اُٹھائے گئے بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح زمین پر ہی فوت ہوئے تھے۔

اگر مسیحؑ کو خدا فرض کر لیا جاوے تو پھر بھی وہ موت سے نہیں بچتا

یہاں تک تو مسیحؑ کا بحیثیت انسان کے ذکر ہوا ہے لیکن چونکہ قرآنِ مجید ایک ایسی جامع کتاب ہے جو کسی پہلو کو نہیں چھوڑتی اور آج کل دُنیا کا ایک بڑا حصہ مسیحؑ کو خدا مانتا ہے اس لئے اِس حیثیت میں بھی قرآن مجید اس کی وفات کا ذکر کرتا ہے تاکہ ہر طرح حُجّت پوری ہو۔ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۔ (سورہ نحل رکوع ۲)

"یعنی جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں (یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں) وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ مُردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔"

یہ آیت اُن تمام اشخاص کی موت کی خبر دیتی ہے جو بطور معبود نبی کریم ﷺ کے زمانے میں پوجے جاتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ مسیحؑ انہی میں سے ایک ہے۔ اگر بعض لوگ اِس آیت کے متعلق یہ اعتراض کریں کہ اس میں بُتوں وغیرہ کا ذِکر ہے نہ کہ ان انسانوں کا جو بطور خدا

کے پوجے جاتے ہیں تو یہ ایک صریح غلطی ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں صاف فرماتا ہے :۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ

"یعنی جو لوگ پوجے جاتے ہیں وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کا بعث کب ہو گا۔"

اب ظاہر ہے کہ بعث پتھر کے بُتوں وغیرہ کا تو نہیں ہوا کرتا بلکہ انسان کا ہی موت کے بعد بعث ہو گا۔

علاوہ اس کے آیت میں اَلَّذِیۡنَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عربی قواعد کی رُو سے بے جان کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ جاندار اور ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے بھی یہاں پتھر وغیرہ مُراد نہیں ہو سکتے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ یہ آیت ان انسانوں ہی کے متعلق ہے جو بطور معبود نبی کریمؐ کے زمانے میں پوجے جاتے تھے تو لامحالہ حضرت مسیح ناصریؑ بھی اس فہرست میں داخل ماننے پڑیں گے۔ بلکہ کیا بلحاظ اس کے کہ وہ زمانے کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھے اور کیا بلحاظ اس کے کہ انسانی خداؤں میں سے سب سے زیادہ مسیحؑ کی پرستش کی جاتی ہے سب سے پہلا شخص جو اس فہرست کی ذیل میں آتا ہے وہ مسیحؑ ہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیحؑ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں داخل ہیں جن کی نسبت خدا فرماتا ہے کہ :۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ

"یعنی وہ مُردہ ہیں نہ کہ زندہ اور وہ نہیں جانتے کہ ان کا بعث کب ہو گا۔"

آیت وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ کی صحیح تفسیر

مندرجہ بالا قرآنی آیات سے اچھی طرح واضح ہو چکا ہو گا کہ حضرت مسیحؑ آسمان پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ عام آدمیوں کی طرح اپنی زندگی کے دن کاٹ کر زمین پر ہی وفات پا گئے۔ مگر اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالف جس آیت سے مسیحؑ کی

حیات ثابت کرتے ہیں اس کی مختصر تشریح کر دی جاوے تا ہر طرح سے یہ مسئلہ صاف ہو جاوے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (سورۃ النساء رکوع ۲۲)

اس آیت کے معنی غیر احمدی علماء عام طور پر اِس طرح کرتے ہیں کہ :۔

"کوئی اہل کتاب میں سے نہیں مگر ایمان لائے گا مسیحؑ پر مسیحؑ کی موت سے پہلے۔"

جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیحؑ اب تک زندہ ہے اور آخری دنوں میں آسمان سے نازل ہو گا اور اُس وقت سب کے سب اہل کتاب اُس پر ایمان لانے پر مجبور کئے جاویں گے [1] ۔ لیکن اگر ہم ذرا غور سے کام لیں تو اِس دلیل کا تمام پول کھل جاتا ہے۔ قرآنِ شریف کے الفاظ ہیں اِن مِّن اَهلِ الكِتٰبِ جس کے معنی ہیں "تمام کے تمام اہلِ کتاب بغیر استثناء کے۔" اب اگر یہ فرض بھی کر لیا جاوے کہ جس وقت مسیحؑ نازل ہوں گے اُس وقت جتنے یہودی ہوں گے سب کے سب مسیحؑ پر ایمان لے آئیں گے تب بھی اِن مِّن اَهلِ الكِتٰبِ کا مفہوم پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ لاکھوں کروڑوں یہودی جو اس آیت کے نزول اور مسیحؑ کی آمد کے درمیان فوت ہو گئے ہوں گے وہ کس طرح ایمان لائیں گے ؟ وہ تو بہر حال مستثنیٰ ہی رہیں گے مگر آیت کے الفاظ کسی استثناء کے متحمل نہیں ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو معنی اس آیت کے کئے جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ علاوہ اس کے ہم قرآنِ مجید میں پڑھتے ہیں کہ :۔

اَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ (سورہ مائدہ رکوع ۳)

"یعنی ہم نے یہود اور نصاریٰ میں دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے جو قیامت کے دن تک قائم رہے گا۔"

---

[1] یہ معنی کرتے ہوئے ہمارے مخالف اتنا نہیں سوچتے کہ انہی یہود کے متعلق اس آیت سے چند آیات اوپر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا يُؤمِنُونَ اِلَّا قَلِيلًا "یعنی ان میں سے بہت کم ایمان لائیں گے" پس اس محکم آیت کے ہوتے ہوئے آیت زیر بحث کے دوسرے معنی کس طرح کئے جاسکتے ہیں ؟

اِس سے ثابت ہوا کہ ایسا کوئی وقت نہیں آئے گا کہ جب یہود اور نصاریٰ بالکل معدوم ہو جائیں گے بلکہ وہ قیامت تک رہیں گے۔ علاوہ اِس آیت کے اور بھی بہت سی قرآنی آیات ہیں جو ہم کو صاف طور پر بتاتی ہیں کہ یہود قیامت تک رہیں گے اور بالکل معدوم کبھی نہیں ہوں گے۔ پس آیت زیر بحث کے یہ معنی کرنا کہ کوئی ایساوقت آئے گا جب تمام کے تمام یہود حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے قرآنِ مجید کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

تو پھر آیت کے صحیح معنی کیا ہوئے؟ اِس سوال کے جواب سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو معنی ہمارے مخالف کرتے ہیں ان پر گزشتہ بزرگوں کا بھی ہرگز اتفاق نہیں ہے بلکہ اس آیت کی تفسیر میں گزشتہ علماء میں بھی بہت اختلاف ہوا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ ظاہر ہے کہ صحیح معنی اس آیت کے وہی ہونگے جو قرآن کی محکم آیات کے مخالف نہ ہوں اور آیت کا سیاق و سباق بھی ان کا متحمل ہو۔ اب ہم سیاق و سباق پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اِس آیت سے پہلے یہود کے اِس دعویٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مسیحؑ کو مصلوب کر دیا جس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اصل میں مسیحؑ صلیب پر نہیں مرا بلکہ یہود کو غلطی لگی ہے ہاں مسیحؑ بوجہ زخموں کی تکلیف کے ایسی غشی کی حالت میں ضرور ہو گیا تھا کہ جس سے وہ مشابہ بالمصلوب ہو گیا۔ اور اسی لئے یہود کو یہ دھوکا لگا کہ مسیحؑ واقعی صلیب پر مر گیا ہے مگر یہود نے اِس معاملہ میں پوری تحقیقات سے کام نہیں لیا بلکہ صرف ایک ظن کی پیروی کرتے رہے۔ اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ اِن مِّن اَھلِ الکتٰبِ اِلَّا لَیُؤمِنَنَّ بِہٖ قَبلَ مَوتِہٖ۔ یعنی تمام کے تمام اہل کتاب اپنی موت سے پہلے اسی بات پر ایمان رکھیں گے (کہ مسیحؑ واقعی مصلوب ہو گیا) لیکن ان کا یہ ایمان صرف ان کی موت تک رہے گا اور موت کے بعد ان پر اصل حقیقت آشکار ہو جائے گی کیونکہ موت کے بعد حقیقت کھل جایا کرتی ہے اور انسان کو اپنی غلطیوں کا علم ہو جاتا ہے۔

دیکھئے! یہ معنی کیسے صاف ہیں اور سیاق و سباق کے کس طرح مطابق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں تو بیشک تمام اہلِ کتاب کا یہی خیال رہے گا کہ مسیحؑ صلیب پر

مر گیا تھا لیکن یہ ایمان صرف ان کی موت تک ہے۔ موت کے بعد ان کو پتہ لگ جائے گا کہ ان کا خیال غلط تھا اور مسیحؑ در حقیقت صلیب پر نہ مرا تھا۔ علاوہ ازیں جو معنی اس آیت کے ہمارے مخالف کرتے ہیں اس کے ماتحت یہ آیت یہود کے لئے ایک بڑی برکت کا موجب بنتی ہے کہ گویا وہ سب کے سب ایک دن مومن بن جائیں گے حالانکہ اس آیت سے پہلی اور پچھلی آیات یہود کی شرارتوں اور بدبختیوں پر مشتمل ہیں۔ پس اس درمیانی آیت کو کس طرح مبشر سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمارے معنوں کی مزید تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ آیت میں جو لفظ موتِہٖ واقع ہوا ہے اس کی دوسری قرأت مَوتِہِم آئی ہے جیسے تفسیر بیضاوی و کشاف وغیرہ میں درج ہے، اس سے ظاہر ہے کہ مَوتِہٖ کی ضمیر ہر گز حضرت عیسیٰؑ کی طرف نہیں جاتی بلکہ اہل کتاب کی طرف جاتی ہے اور بِہٖ کے لفظ میں جو ضمیر ہے وہ اہل کتاب کے اس قول کی طرف جاتی ہے کہ مسیحؑ صلیب پر مر گیا کیونکہ اس آیت سے پہلے قرآن کریم میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ معنی جو ہم نے اس جگہ اس آیت کے کئے ہیں ان کی آیت زیرِ بحث کا آخری حصہ بھی بڑے زور سے تائید کر رہا ہے۔ خدا فرماتا ہے وَیَومَ القِیٰمَۃِ یَکُونُ عَلَیھِم شَھِیدًا[1] ۔ "یعنی اہلِ کتاب اِسی خیال پر جمے رہیں گے کہ مسیحؑ در حقیقت صلیب پر مر گیا تھا لیکن قیامت کے دن جب تمام مُردے اُٹھائے جائیں گے تو مسیحؑ اُن کے خلاف بطور ایک گواہ کے کھڑا ہوگا اور ان کو بتا دے گا کہ اس کی صلیبی موت کے متعلق ان کا خیال غلط تھا۔ الغرض آیت زیرِ بحث کا سیاق و سباق اور مَوتِہٖ کی جگہ مَوتِہِم کی دوسری قرأت اور پھر قرآن شریف کی محکم آیات ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ ہم غیر احمدی مولویوں کے معنوں کو غلط قرار دیں۔

قرآن مجید کی تفسیر کا گُر

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

[1] یہ آیت خود وفاتِ مسیحؑ پر دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مسیحؑ کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اہل کتاب پر قیامت ہی کے دن بطور شہید کے ہوگا۔ اگر مسیحؑ نے قیامت سے پہلے بھی اترنا تھا تو یہ مفہوم باطل ٹھہرتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ (سورہ آل عمران رکوع ۱)

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اس آیت کے یوں معنی کرتے ہیں کہ :۔

"اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری جس میں بعض آیات پکّی یعنی صاف اور صریح ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض دوسری مبہم آیات ہیں کہ ان کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو قرآن کی انہیں مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فساد پیدا کریں۔"

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآنی آیات کی تفسیر کرنے کا کیسا گُر بتایا ہے کہ جس سے سب جھگڑے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ فرماتا ہے کہ بعض ایسی آیات ہیں کہ جن کے معنوں میں کئی پہلو نکل سکتے ہیں مثلاً یہی کہ کوئی ضمیر بیان کی گئی ہو جس کے لئے ممکن ہے کہ وہ ایک شے کی طرف پھرتی ہو اور ممکن ہے کہ دوسری کی طرف پھرتی ہو یا اور کسی قسم کا تشابہ واقع ہو جاوے تو اس صورت میں ہمیں خدا ہدایت فرماتا ہے کہ ایسی آیات کے وہی معنی کریں کہ جو قرآنِ مجید کی محکم آیات کے خلاف نہ ہوں۔ اب دیکھو کہ یہ کیسی محکم اور قطیعۃ الدلالت آیت ہے کہ :۔

فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

"یعنی یہود اور نصاریٰ میں قیامت تک دُشمنی رہے گی۔"

اب انصاف کا مقام ہے کہ ہم آیت زیر بحث کا کس طرح یہ ترجمہ قبول کرلیں کہ کوئی وقت ایسا آنے والا ہے کہ تمام کے تمام یہودی مسیحؑ پر ایمان لے آئیں گے اور وہ اور نصاریٰ ایک ہو جائیں گے۔

بعض علماء اس آیت کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اس کے وہی

معنی کئے ہیں جو آج کل کے مولوی کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں :۔

''مَوتِہٖ کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف اسی وجہ سے اس آیت کی دوسری قرأت میں مَوتِھِم واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کی طرف یہ ضمیر پھرتی تو دوسری قرأت میں موتھم کیوں آتا؟ دیکھو تفسیر ثنائی کہ اس میں بڑے زور سے ہمارے اس بیان کی تصدیق موجود ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کے نزدیک یہی معنی ہیں مگر صاحبِ تفسیر لکھتا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درائت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابوہریرہؓ میں نقل کرنے کا مادّہ تھا اور درائت اور فہم سے بہت ہی کم حصّہ رکھتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسے معنی کئے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے جیسا کہ کئی اور مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درائت کے متعلق ہیں اکثر ابوہریرہؓ ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔ یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہو سکتی۔ شرعی حجت صرف اجماعِ صحابہؓ ہے۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماعِ صحابہؓ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ جبکہ آیت قَبلَ مَوتِہٖ کی دوسری قِرأت قَبلَ مَوتِھِم موجود ہے جو بموجب اصولِ محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو اِس صورت میں محض ابوہریرہؓ کا اپنا قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے فرمودہ کے مقابل ہیچ اور لغو ہے اور اس پر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابوہریرہؓ کے قول سے قرآنِ شریف کا باطل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قرآنِ شریف تو جا بجا فرماتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ قیامت تک رہیں گے ان کا کلّی استیصال نہیں ہوگا اور ابوہریرہؓ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال کلّی ہو جائے گا اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے۔ جو شخص قرآنِ شریف پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہئے کہ ابوہریرہؓ کے قول کو ایک ردی متاع کی طرح پھینک دے۔

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۳۴ وصفحہ ۲۳۵)

پس یہ یقینی امر ہے کہ آیت زیرِ بحث میں مَوتِہٖ کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ کہ عیسیٰؑ کی طرف۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مَوتِہٖ کی ضمیر عیسیٰؑ کی طرف راجع نہیں ہوتی تو خواہ بالفرض بِہٖ کی ضمیر عیسیٰؑ ہی کی طرف پھیر دی جاوے اور آیت کے کوئی سے بھی معنی کر لئے جاویں تو بھی اس آیت سے یہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا کہ مسیحؑ زندہ ہے۔ وھوالمراد۔ تعجب ہے کہ جن آیتوں کو خود ہمارے مخالف متشابہات میں مانتے ہیں اور گزشتہ مفسّرین نے بھی ان کے معنوں میں ایک دوسرے سے بڑا اختلاف کیا ہے ان پر ایسے مہتم بالشان مسائل کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور محکمات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مگر معلوم رہے کہ یہ کن لوگوں کا کام ہے۔ سنئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ (سورہ آل عمران)

"یعنی جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہی متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں۔"

مگر آپ نے دیکھا کہ ہم نے تو بفضلِ خدا اس کے تشابہ کو بھی ایسا اُڑا دیا ہے کہ اب یہ آیت بھی محکمات میں سے نظر آتی ہے۔ جس کی آنکھ ہو دیکھے۔

حدیث سے وفاتِ مسیحؑ کا ثبوت

مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نے یہ بخوبی سمجھ لیا ہو گا کہ قرآنِ شریف عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے مسئلے کو دُور سے ہی دھکّے دے رہا ہے۔ اور گو آیت مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیلاً اس بات کی ضرورت باقی نہیں چھوڑتی کہ اس مسئلے کے متعلق حدیث سے بھی گواہی تلاش کی جاوے لیکن ناظرین کی مزید تسلّی کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سے بھی مسیحؑ کی وفات کا کچھ ثبوت دے دیا جاوے تا شک کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ سو واضح ہو کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ:۔

مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَۃٍ اَلْیَوْمَ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَھِیَ یَوْمَئِذٍ حَیَّۃٌ

(صحیح مسلم)

"یعنی تمام وہ لوگ جو آج زندہ ہیں وہ ایک سو سال گزرنے کے بعد زندہ نہ رہیں گے۔"

یہ حدیث بڑی صفائی کے ساتھ مسیحؑ پر فاتحہ خوانی کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر مسیحؑ اب بھی زندہ ہے تو ضرور ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے وقت بھی زندہ ہوگا اور اگر وہ اُس وقت زندہ تھا تو یقیناً وہ سو سال کے اندر اندر فوت ہو گیا ہوگا۔ پھر اسی پر بس نہیں اور لیجئے۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ :۔

اِنَّ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃٍ

"یعنی عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال زندہ رہے تھے۔" (طبرانی و مستدرک حاکم)

یہ حدیث تو کسی شک و شُبہ کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتی بلکہ مسیحؑ کی عمر کی تعیین کر کے صاف طور پر ان کی موت پر دلالت کر رہی ہے اور اس بحث کو آگے چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہنے دیتی مگر ہمارا مطلب تو حتی الوسع تسلی کرانا ہے اس لئے اور لیجئے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں :۔

لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

"یعنی اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔"

سُبحان اللہ اس حدیث نے تو حد ہی کر دی۔ مسیحؑ کی وفات پر ہزار سورج چڑھا دیا اور اس مسئلے کے کسی دور سے دور گوشہ میں بھی تاریکی نہیں رہنے دی لیکن اسی پر بس نہیں معراج کی حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جب میں دوسرے آسمان پر گیا تو میں نے وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیکھا۔ (بخاری و مسلم) اب یہ سب کے نزدیک مسلّم امر ہے کہ حضرت یحییٰ فوت ہو چکے ہیں اور ان کی رُوح اس جسم عنصری سے الگ ہو چکی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ

مسیحؑ بھی فوت شدہ ہیں کیونکہ مُردوں میں وہی شخص رہتا ہے جو کہ خود فوت شدہ ہو ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ مُردوں کے اندر ایک زندہ کو رکھ دیا جاوے۔ اب آپ نے دیکھا کہ کس وضاحت کے ساتھ قرآنِ شریف اور احادیثِ صحیحہ مسیحؑ کو مُردہ ثابت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ قرآنِ شریف نے صاف الفاظ میں بتادیا کہ مسیحؑ آسمان پر نہیں اُٹھایا گیا بلکہ اس کا رفع انہی معنوں میں ہوا جن معنوں میں کہ تمام نیکوکاروں کا وفات کے بعد رفع ہوا کرتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ مسیحؑ کے اپنے منہ سے اقرار کروادیا کہ بھائیو مجھے خواہ مخواہ زندہ کیوں مان رہے ہو میں تو اپنی اُمّت کے بگڑنے سے پہلے کا فوت ہو چکا ہوں۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ بھی فرمادیا کہ دیکھو جتنے نبی آنحضرتؐ سے پہلے گزرے ہیں وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی حدیث مسیحؑ کی عمر بھی بتا رہی ہے کہ ایک سو بیس سال ہوئی اور پھر صاف الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ اگر عیسیٰؑ اور موسیٰؑ زندہ ہوتے تو وہ بھی نبی کریمؐ کی اتباع کرنے پر مجبور ہوتے۔ ان صاف دلیلوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی اگر کوئی شخص اپنی ضد کو نہیں چھوڑتا تو اُسے اختیار ہے ہم نے اپنی طرف سے اتمامِ حجّت کر دیا اب ایسے لوگوں کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

باب سوئم

(فوت شدہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس نہیں آتے)

بعض لوگ جب مسیحؑ کی وفات کا ذکر کُھلا کُھلا قرآن شریف اور احادیث میں پاتے ہیں تو پھر وہ یہ پہلو اختیار کرتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مسیحؑ فوت ہو گیا خدا اسے زندہ کر کے دُنیا میں دوبارہ لے آئے گا۔ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہئے کہ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں آجانا اسلامی تعلیم اور سُنّتِ الٰہیہ کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے :۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔

(سُورہ مومنون رکوع اوّل)

”یعنی تم پیدا کئے جانے کے بعد فوت ہو گے اور پھر قیامت کے دن ہی دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کا وقت قیامت کا ہی دن ہے اور اس سے پہلے ہر گز نہیں۔ پھر فرمایا :۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

(سورہ مومنون رکوع ۶)

”یعنی جو لوگ مر جاتے ہیں ان کے اور اس دنیا کے درمیان ایک روک ہو جاتی ہے جو قیامت کے دن تک رہے گی۔“

اس آیت نے وضاحت کے ساتھ اس امر کا فیصلہ کر دیا کہ جو شخص مر جاوے وہ قیامت کو ہی زندہ کیا جائے گا۔ قیامت کے پہلے اس کے اور اس دُنیا کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ایک روک رکھ دی ہے جو صرف قیامت کے دن اُٹھائی جاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ

(سُورہ انبیاء رکوع ۷)

”یعنی جن لوگوں کو ہم مار دیتے ہیں اُن پر حرام ہے کہ وہ اِس دنیا کی طرف واپس لوٹیں۔“

پھر نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے جو اِس مسئلہ کو بالکل ہی صاف کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنگِ اُحد میں جب جابرؓ کے والد شہید ہوئے تو اُن سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا کہ جو مانگو گے میں تم کو دُوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ خدایا مجھے پھر زندہ کیا جاوے تا میں اسلام کے راستے میں پھر لڑوں اور پھر اپنی جان دوں۔ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ :۔

سَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (ترمذی عن جابرؓ)

"یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ میں پہلے سے اُصولی فیصلہ کر چکا ہوں کہ جو لوگ مر جاتے ہیں وہ پھر اِس دُنیا میں واپس نہیں آئیں گے[1]۔"

اِس حدیث کے بعد میرے خیال میں کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر تعجب ہے کہ ہمارے بعض مولوی صاحبان نہ صرف مسیح ناصریؑ کو فوت شدہ تسلیم کر کے پھر اس کے دوبارہ دُنیا میں آنے کے متمنی ہیں بلکہ خود مسیحؑ کی طرف حقیقی مُردوں کا اسی دنیا میں زندہ کرنا منسوب کر رہے ہیں حالانکہ جن معنوں میں مسیحؑ نے مُردے زندہ کیے ان معنوں میں تو سب نبی مُردے زندہ کرتے آئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ مُردے زندہ کیے۔ دراصل مشکل یہ ہوتی ہے کہ کم علمی کی وجہ سے لوگ ہر لفظ کے ظاہری معنوں پر جم جاتے ہیں حالانکہ بعض وقت ایک لفظ استعارہ اور مجاز کے طور پر استعمال ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں آیا ہے کہ :۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸)

"یعنی جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔"

اس جگہ سب کو اتفاق ہے کہ یہاں اندھے سے رُوحانی اندھا مُراد ہے نہ کہ جسمانی اندھا۔ مگر معلوم نہیں مسیحؑ کے معاملے میں مُردہ سے کیوں رُوحانی مُردہ مُراد نہیں لیا جاتا۔ نبی کریمؐ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

(سورہ انفال رکوع ۳)

"یعنی اے مومنو! تم اللہ کی بات مان لیا کرو اور رسول کی آواز پر بھی کان دھرا کرو جب کہ وہ تمہیں بلائے کیونکہ وہ تمہیں زندہ کرتا ہے۔"

[1] اس میں غور طلب امر یہ ہے کہ خدا نے خود کہا کہ کچھ مانگو اور پھر مانگنے والا شہید اور عالی مرتبہ صحابی تھا۔ مگر چونکہ یہ سوال خدا کے صریح فیصلہ اور سُنت کے خلاف تھا اس لئے نفی میں جواب ملا۔ منہ

دیکھو نبی کریمؐ کے متعلق کس وضاحت کے ساتھ زندہ کرنے کا لفظ آیا ہے۔ مگر یہاں ہمارے مخالف بھی رُوحانی زندگی مُراد لیتے ہیں لیکن جب حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں تو وہاں حقیقی مُردوں کا زندہ کرنا مُراد لے لیا جاتا ہے افسوس صد افسوس کہ ہمارے مولوی صاحبان نے مسیح ناصریؑ کی عزت کو شرک کی حد تک پہنچا رکھا ہے اور اس کے مقابلے پر اپنے آقا کی عزت کی بھی پروا نہیں کی۔

ہمارے مخالف جب اِس بات میں بھی تنگ آجاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ قرآنِ شریف مُردوں کا اسی دنیا میں زندہ ہو جانا ممتنع قرار دے دیتا ہے تو پھر کہتے ہیں کہ بے شک خدا کی عام سنّت یہی ہے کہ مُردے دوبارہ زندہ ہو کر اس دنیا میں نہیں آتے لیکن کیا خدا قادر نہیں کہ مسیحؑ اگر مر بھی گیا ہے تو اس کو زندہ کر کے اس دنیا میں لے آوے؟ اب دیکھو کہ یہ بھی کوئی دلیل ہے؟ کون انکار کرتا ہے کہ خدا قادر نہیں ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ واقعی وہ بات وقوع میں بھی آگئی ہے۔ غور کرو کہ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کر کے دوبارہ دنیا میں لے آوے تو کیا اس سے ثابت ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہو کر آجائیں گے؟ پھر کیا خدا قادر نہیں کہ اسی وقت قیامت آجاوے تو کیا اس سے ثابت ہو گیا کہ اس وقت قیامت آ بھی گئی؟ ایسی دلیلیں سُن کر اس زمانے کے مولویوں کی عقل و خرد پر رونا آتا ہے کہ ان کی حالت کیسی گر چکی ہے۔ بھائیو! خدا کی قدرت اِس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ جس چیز پر اس کو قدرت ہے وہ واقعہ میں ہو بھی گئی۔ اس کا وقوع تو تب ثابت ہو کہ تم اس بات کی دلیل دو کہ بعد میں خدا نے اِس معاملے میں اپنی سُنّت کو ترک کر کے اپنی خاص استثنائی قدرت کو استعمال کیا۔ ہم اِسی بات کو تو ثابت کر رہے ہیں کہ باوجود اس کے کہ خدا مُردوں کو زندہ کر کے اِس دنیا میں واپس لانے پر قادر ہے پھر بھی اس نے اپنی یہ سنّت مقرر کر رکھی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ اگر خُدا کی قدرت پر ہی فیصلہ کرنا ہے تو کیا خدا اِس بات پر قادر نہیں کہ اِسی اُمّت میں سے مسیحؑ کو پیدا کر دے۔ بلکہ

غور کرو تو خدا کی قدرت کا زیادہ جلوہ اِس بات میں ہے کہ اِسی اُمّت میں سے مسیح موعود پیدا کرے نہ کہ پہلے مسیحؑ کو دوبارہ لائے۔ ایک چیز کو سنبھال سنبھال کر رکھنے کی صرف اس شخص کو ضرورت پیش آتی ہے جو ڈرتا ہے کہ اگر یہ چیز ضائع ہو گئی تو پھر میسّر آنی مشکل ہو جائے گی اور میں اس کی مثل نہیں بنا سکوں گا لیکن جو شخص قادر ہوتا ہے وہ اپنی سُنّت کے خلاف چیزوں کو سنبھال سنبھال کر نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب ضرورت ہو گی میں ایسی بیسیوں چیزیں پیدا کر لوں گا۔ غرض خدا کی قدرت کا جلوہ تو زیادہ اِس بات میں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی نیا مسیح بنا کر اس اُمّت میں بھیجے نہ کہ پہلے مسیح کو ہی دو ہزار سال محفوظ رکھ کر واپس بھیج دے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اگر خدا نے کسی فوت شدہ کو ہی زندہ کر کے دوبارہ بھیجنا تھا تو پھر نبی کریمؐ کو ہی کیوں نہ بھیجا جاوے۔ کیا مسیحؑ ناصری ہمارے نبی کریم ﷺ کی نسبت زیادہ اصلاح کر لے گا۔ افسوس صد افسوس۔

کَبُرَت کَلِمَۃً تَخرُجُ مِن اَفوَاھِھِم اِن یَقُولُونَ اِلَّا کَذِباً

باب چہارم

(قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ آنے والا مسیح اور ہے جو اسی اُمّت میں سے ہو گا)

اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا کہ قرآنِ شریف اور احادیث اس بات پر متفقہ شہادت دے رہے ہیں کہ مسیح ناصریؑ آسمان کی طرف بجسم عنصری نہیں اُٹھایا گیا بلکہ فوت ہو گیا ہے اور یہ کہ جو شخص فوت ہو جاتا ہے وہ دوبارہ اس دُنیا میں نہیں لایا جاتا تو اس سے لازمی نتیجہ یہ بھی نکلا کہ آنے والا مسیحؑ اِسی اُمّت میں سے ہو گا لیکن مزید تسلّی کے لئے میں اِس اصولی نتیجہ پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے ناظرین کو بتاتا ہوں کہ قرآنِ شریف اور احادیث میں وضاحت سے لکھا ہے کہ آنے والا مسیح اور ہے جو اِسی اُمّت میں سے ہو گا۔

نبی کریم ﷺ کے تمام خلفاء آپ ہی کی اُمت میں سے ہوں گے

قرآنِ مجید میں خدا فرماتا ہے :۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورہ نور رکوع ۷)

”یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے اعلیٰ درجہ کا ایمان لائے اور انہوں نے اعلیٰ اعمال کا نمونہ دکھایا کہ اللہ ضرور ضرور ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح کہ اس نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو اُن سے پہلے گزر چکے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے اسی طرح نبی کریم ﷺ کے خلفاء بنائے گا جس طرح کہ اُس نے موسوی سلسلہ میں بنی اسرائیل سے موسیٰؑ کے خلیفے بنائے۔ اب یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے خلفاء بھیجے جو توریت کی خدمت کرتے تھے اور بنی اسرائیل کو سچائی کے راستوں میں قائم رکھتے تھے۔ موسوی خلفاء کا یہ سلسلہ مسیح ناصریؑ کے وجود میں اپنے کمال اور انتہا کو پہنچا۔ اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ بھی اِسی قسم کے خلفاء کے سلسلے کا وعدہ دیا گیا اور ٹھیک جس طرح موسوی سلسلے کا آخری خلیفہ اسرائیلی مسیح ہوا اسی طرح یہ الٰہی فیصلہ تھا کہ آخری ایاّم میں مسلمانوں میں بھی ایک مسیح بھیجا جاوے گا جو اسلامی سلسلۂ خلفاء کے دائرہ کو پورا کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا ہو گا۔ آیت مندرجہ بالا ہمیں بتاتی ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدیؐ سلسلہ میں نمایاں مشابہت ہے جیسا کہ کَمَا کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اب اگر محمدیؐ سلسلہ کا مسیح موسوی سلسلہ کے مسیحؑ سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتا بلکہ وہی ہے جو حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ کے آخر میں ظاہر ہوا تو مشابہت باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ مشابہت مغائرت کو چاہتی ہے۔ یعنی یہ ضروری ہوتا ہے کہ مُشبّہ اور مشبّہ بہٖ دو مختلف وجود

ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ محمدیؐ مسیحؑ موسوی مسیحؑ سے الگ شخصیت رکھتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ گو دونوں سلسلوں میں عمومی مشابہت بھی ہونی ضروری ہے مگر ان دونوں کے اوّل اور آخر میں تو خاص اور واضح مشابہت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اوّل اور آخر ہی کسی سلسلے کی تعیین اور حد بندی کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب ہم قرآنی ہدایت کے ماتحت دونوں سلسلوں کے اوّل یعنی موسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان مشابہت کو قبول کرتے ہیں تو اُن کے آخر میں بھی مشابہت ضرور ماننی پڑے گی۔ اور جب مشابہت ہوئی تو مغائرت لازمی طور پر مانی جائے گی۔

علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مِنکُم (یعنی تم میں سے) کا لفظ رکھ کر سارے جھگڑے کی جڑ کاٹ دی ہے اور صاف طور پر بتا دیا ہے کہ محمدیؐ سلسلہ کے خلفاء مسلمانوں میں سے ہی ہوں گے۔ یہ مقام آنکھیں بند کر کے گزر جانے والا نہیں۔ ناظرین کرام اچھی طرح غور فرمائیں کہ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد توریت کی خدمت کے لئے خلفاء مبعوث کئے گئے اسی طرح نبی کریم ﷺ کے بعد قرآن اور اسلام کی خدمت کے لئے بھی خلفاء بھیجے جائیں گے اور یہ خلفاء مسلمانوں میں سے ہی ہوں گے تو اب پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ اپنی ضد پوری کرنے کے لئے محمدیؐ سلسلہ کا آخری اور سب سے عالی شان خلیفہ بنی اسرائیل میں سے تصور کیا جاوے اور اس طرح خدا کے وعدے کو جو اس نے مِنکُم کے لفظ میں کیا ہے ردّی کی طرح پھینک دیا جاوے اور اُمّت محمدیہؐ کو اُمّتِ موسویہ کا دست نگر بنایا جائے؟ جس شخص کے دل میں ذرا بھر بھی ایمان اور غیرت ہو وہ کبھی بھی اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ خیر اُمت کو موسیٰؑ کی اُمت کا سوالی بنائے۔ خدا تو صاف الفاظ میں فرما رہا ہے کہ دیکھو مسلمانو! میں تمہارے اندر اسلام کی خدمت کے لئے جو خلیفے بھیجوں گا وہ تم میں سے ہی ہوں گے لیکن ہمارے مولویوں کے دل مسیحؑ ناصری کی محبت میں ایسے شرک کے مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ خدا کے صریح وعدے کے خلاف خواہ مخواہ اپنی اصلاح کے لئے بنی اسرائیل کے قدموں پر

گر رہے ہیں۔ خدا اُن کو اُٹھانا چاہتا ہے اور ان کی عزت قائم کرنا چاہتا ہے اور ان پر انعام کرنا چاہتا ہے مگر وہ اپنی ذلت چاہ رہے ہیں۔ خدا کہتا ہے کہ دیکھو میں تم پر انعام کرتا ہوں کہ تمہارے اندر خلفاء تم میں سے ہی بھیجے جائیں گے مگر مسلمان ہیں کہ چھوٹے موٹے خلفاء کی نسبت تو مانتے ہیں کہ اسی اُمت میں سے ہی ہوں گے مگر جب آخری اور عظیم الشان خلیفہ کا سوال آتا ہے تو اس وقت بنی اسرائیل کی طرف دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ خدا اس قوم پر رحم کرے۔ یہ کہاں آکر گری! قرآن خیرالامم مسلمانوں کو قرار دے رہا ہے مگر مسلمان یہ تو ایمان رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق یہودی بننے کے لئے ہم ہی میں سے مفسد لوگ پیدا ہوں گے مگر جہاں ترقی کا سوال آتا ہے وہاں محمدیؐ مسیحؑ کو بنی اسرائیل میں سے لانے کے متمنی ہیں! ہائے افسوس کیا مسلمانوں کے حصے میں فساد ہی رہ گیا ہے اور مصلح باہر سے آئے گا؟

مسیحؑ ناصری دوبارہ نازل نہیں ہوں گے

پھر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (سورۃ مائدہ رکوع ۱۶)
جو وفاتِ مسیحؑ کے ثبوت میں اُوپر درج کی جاچکی ہے وہ اس مسئلہ میں بھی بطورِ ثبوت پیش کی جا سکتی ہے کیونکہ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے یہ معنی ہیں کہ "جب تو نے مجھے پورا اُٹھالیا" اور پھر ہم بفرضِ محال یہ بھی مان لیں کہ اُٹھالینے سے آسمان ہی کی طرف اُٹھالینا مُراد ہے پھر بھی یہ آیت اِس بات پر تو قطعی ثبوت ہے کہ مسیحؑ آسمان سے نازل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بہر حال مسلّم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن اپنی اُمّت کے بگڑ جانے کے متعلق اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قیامت کے دن سے پہلے وہ اپنی اُمّت کو فساد کی حالت میں کبھی نہیں دیکھیں گے یعنی انہیں قیامت سے قبل یہ علم کبھی حاصل نہیں ہوگا کہ میری اُمّت نے مجھے معبود بنالیا ہے۔ لیکن ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اگر خود مسیح ناصریؑ ہی آخری دنوں میں نازل ہوں گے، تو یہ یقینی ہے کہ اُنہیں اپنی اُمت کے بگڑ

جانے کا علم ہو جائے گا خصوصاً جب کہ مسیح موعود کا بڑا کام ہی کسرِ صلیب ہے تو اس صورت میں لاعلمی کا اظہار کیسا؟ لہذا یہ بات یقینی ہے کہ اگر بفرضِ محال مسیحؑ آسمان پر تشریف بھی لے گئے ہیں تو پھر بھی آنے والا مسیح یقیناً اور ہے، اور مسیح ناصریؑ وہیں آسمان پر کسی جگہ فوت ہو کر دفن کر دیئے گئے ہوں گے۔ کیونکہ بہرحال ان کا آسمان پر ہونا ان کو موت سے تو نہیں بچا سکتا۔ ملاحظہ ہو آیت:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ نیز ملاحظہ ہو یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ

حدیث صاف طور پر بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی اُمّت میں سے ہو گا

پھر قرآنِ شریف ہی نہیں بلکہ حدیث بھی صاف الفاظ میں بتا رہی ہے کہ مسیح موعود اسی اُمّت میں سے ہو گا۔ نبی کریمؐ فرماتے ہیں:۔

کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ

(بخاری کتاب بدءالخلق)

"یعنی کیا ہی اچھا حال ہو گا تمہارا اے مسلمانو جب مسیح ابن مریم تم میں نازل ہوں گے اور وہ امام ہونگے تمہارے تمہیں[1] میں سے۔"

---

[1] بعض لوگ اِس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ الفاظ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ مسیحؑ کے متعلق نہیں ہیں بلکہ مہدی کے متعلق ہیں جو مسیحؑ کے زمانے میں مبعوث ہو گا اور مسلمانوں کا امام ہو گا مگر لطیفہ یہ ہے کہ ہم نے حدیث صحیح بخاری سے لی ہے جس میں مہدی کے ظہور کا کوئی باب ہی نہیں باندھا گیا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مہدی کے متعلق احادیث میں ایسی گڑبڑ اور ایسا اختلاف ہے کہ کسی حدیث کے متعلق کامل یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح ہے۔ تو اب اگر اس حدیث میں اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ مہدی کے متعلق ہوتے تو ضروری تھا کہ امام بخاریؒ جو محدثین کے سب سے بڑے امام ہیں وہ مہدی کا باب باندھ کر اس حدیث کو مہدی کے نزول کے ضمن میں بھی بیان کرتے لیکن وہ یہ حدیث صرف مسیحؑ کے متعلق لائے ہیں اور مہدی کا ذِکر تک نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے کبھی اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ کا اشارہ مہدی کی طرف نہیں سمجھا کیونکہ اگر وہ ایسا سمجھتے تو وہ اِس حدیث کو مہدی کے نزول کے ثبوت میں پیش کرتے۔ یہی حال امام مسلم کا ہے بلکہ امام مسلم نے تو اِمَامُکُمْ کی جگہ اَمَّکُمْ کی روایت بیان کر کے فیصلہ ہی کر دیا ہے۔

یہ حدیث صاف اور غیر تاویل طلب الفاظ میں بتا رہی ہے، کہ مسیح موعود مسلمانوں میں سے ہی ایک فرد ہوگا جو مسلمانوں کا امام ہوگا جیسا کہ اِمَامُکُم مِنکُم کے الفاظ قطعی طور پر ظاہر کر رہے ہیں۔ بے شک آنے والے کو ابنِ مریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے مگر مِنکُم کا لفظ بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ ابنِ مریم وہ نہیں جو پہلے گزر چکا بلکہ اے مسلمانو یہ تم میں سے ہی ایک شخص ہوگا۔ اگر موعود مسیح گزشتہ مسیح ناصریؑ ہی ہے تو مِنکُم کے کیا معنی ہوئے؟ خدارا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ کیا مِنکُم کا لفظ مسیحؑ ناصری کے متعلق ساری امیدوں پر پانی نہیں پھیر دیتا؟ یہ میں آگے چل کر بتاؤں گا کہ مسیحؑ ابنِ مریم کے الفاظ استعمال کرنے میں کیا حکمت تھی مگر فی الحال ناظرین اتنا دیکھیں کہ کیا مِنکُم کے لفظ نے اسرائیلی مسیحؑ کی آمد کے عقیدہ کو جڑ سے کاٹ کر نہیں رکھ دیا؟ میں تعجب اور حیرت کے دریا میں غرق ہو جاتا ہوں جب دیکھتا ہوں کہ لوگ تو بھلائی کو اپنی طرف منسوب کرنے کے اس قدر شائق ہوتے ہیں کہ جس چیز کا ان کو حق نہیں پہنچتا اسے بھی اپنی طرف منسوب کرنے سے نہیں رُکتے مگر یہ وہ قوم ہے کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے عطا ہوئی ہے اس کو بھی اپنی طرف منسوب کرنا نہیں چاہتی! ہمارا آقا نبیوں کا سردار خاتم النّبیینؐ خبر دے رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں ایک مسیحؑ ظاہر ہوگا جو تمہیں میں سے تمہارا ایک امام ہوگا مگر مسلمان کہتے ہیں کہ بھلا یہ نعمت اِس اُمّت کو کہاں نصیب ہوگی۔ اس اُمّت کی قسمت میں تو مسیح ناصریؑ ہی کا آنا لکھا ہے! میں ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ پھر اس حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالیں جو یہ ہیں :۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ

"یعنی کیا ہی اچھا حال ہوگا تمہارا اے مسلمانو جب مسیحؑ ابنِ مریم تم میں ظاہر ہوگا اور وہ تمہیں میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔"

غور کرو کہ کس طرح نبی کریمؐ اس خیال سے خوش ہو رہے ہیں کہ میری اُمّت میں سے ایک

اتنا عظیم الشان انسان ظاہر ہوگا جو میری اُمّت کی خوش بختی کا علم بردار ہوگا! انصاف کا مقام ہے کہ اسرائیلی مسیح کے آنے میں اِس اُمّتِ مرحومہ کے لئے کون سی خوشی ہے؟ وہ تو اس اُمت کے لئے ماتم کا دن ہوگا جبکہ اس کی اصلاح کے لئے کسی بیرونی آدمی کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہمارے آقا افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اس اُمّت میں سے کسی مصلح کو پیدا نہیں کرسکی۔ کیا نبی کریمؐ اِس بات پر خوشی منا رہے ہیں کہ جب میری اُمّت میں فساد برپا ہوگا تو میری اُمّت کے اندر کوئی شخص اِس قابل نہ ہوگا کہ اصلاح کا کام کرسکے بلکہ خدا کو ضرورت پیش آئے گی کہ اسرائیلی مسیح کو نازل کرے؟ لاحَولَ وَلا قُوَّةَ اِلا بِاللّٰہِ العَظِیم۔

حدیث میں دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو موجود ہیں

الغرض مسیح موعود کے متعلق اِمَامُکُم مِنکُم کے الفاظ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیا ہے اور شک و شُبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی مگر آپؐ کی شفقت کو دیکھئے کہ باوجود صاف لفظوں میں بتا دینے کے کہ مسیح موعود میری اُمّت میں سے ہوگا آپؐ اس مسئلے پر صرف یہی بات فرما کر خاموش نہیں ہو گئے بلکہ مزید تشریح فرمائی ہے تا مسیح ناصریؑ کے متعلق مسلمانوں کے دلوں سے اس کی دوبارہ آمد کا خیال بالکل نکال دیا جاوے۔ آپؐ فرماتے ہیں :۔

رَأَیْتُ عِیْسٰی وَمُوْسٰی وَاِبْرَاھِیْمَ فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ وَاَمَّا مُوْسٰی فَاٰدَمُ جَسِیْمٌ سَبْطُ الشَّعْرِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِّجَالِ الزُّطِّ وَ اَمَّا اِبْرَاھِیْمُ فَانْظُرُوْا اِلٰی صَاحِبِکُمْ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق)

”یعنی میں نے رؤیا میں عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو دیکھا۔ عیسیٰؑ سُرخ رنگ کے تھے اور ان

کے بال گھنگھرالے تھے اور ان کا سینہ چوڑا تھا۔ موسیٰؑ گندم گوں رنگ کے تھے اور ان کا جسم بھاری تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قبیلہ زط کا کوئی شخص ہے اور ابراہیمؑ کو دیکھنا ہو تو بس مجھے دیکھ لو۔"

اس حدیث میں نبی کریمؐ نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کا حُلیہ یہ بیان کیا ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ سُرخ رنگ کے تھے اور ان کے بال گھنگھرالے تھے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں عیسیٰؑ سے گزشتہ عیسیٰؑ مراد ہے خود اس حدیث میں موجود ہے اور وہ یہ کہ ان کو گزشتہ انبیاء حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ ناظرین حضرت عیسیٰؑ کے اس حُلیہ کو خوب یاد رکھیں اس کے مقابل پر ایک دوسری حدیث میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں :۔

بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ اَطُوْفُ بِالْكَعْبَةِ فَاِذَا رَجُلٌ سَبْطُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (صحیح بخاری باب ذکر الدجال)

"یعنی میں نے خواب میں کعبہ کا طواف کیا۔ اچانک میں نے ایک آدمی دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا اور اس کے بال سیدھے اور لمبے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جس پر مجھے جواب دیا گیا کہ یہ مسیحؑ بن مریم ہے۔"

اس حدیث میں نبی کریمؐ آنے والے مسیح کا حُلیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ گندم گوں ہے اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہیں۔ اس بات کا ثبوت کہ یہاں مسیح سے مراد آنے والا مسیح ہے خود اسی حدیث میں موجود ہے کیونکہ اسی حدیث میں آگے چل کر نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت دجال کو بھی دیکھا جس سے ظاہر ہے کہ یہ مسیحؑ وہ ہے جو دجال کے مقابل پر ظاہر ہوگا۔

اب معاملہ بالکل صاف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کا رنگ سُرخ تھا اور بال گھنگھرالے تھے لیکن آنے والا مسیح جو دجال کے زمانہ میں ظاہر ہوگا اُس کے متعلق آپؐ فرماتے ہیں کہ اس کا رنگ گندم گوں ہے اور اس کے بال سیدھے اور لمبے ہوں گے۔ دونوں

حلیوں میں فرق ظاہر و بیّن ہے کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔ کہاں سُرخ رنگ اور کہاں گندم گوں رنگ۔ پھر کہاں گھنگھرالے بال اور کہاں سیدھے بال! دیکھئے کس طرح نبی کریمؐ نے صفائی کے ساتھ بتادیا کہ اے مُسلمانو! ابنِ مریم کے لفظ سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اسرائیلی مسیحؑ ہی تم میں نازل ہوں گے کیونکہ اُن کا رنگ سُرخ تھا اور بال گھنگھرالے تھے لیکن آنے والے مسیح کا رنگ گندم گوں ہوگا اور بال سیدھے اور لمبے ہوں گے۔ اس سے زیادہ وضاحت کیا ہوگی؟ دونوں مسیحوں کی تصویر ناظرین کے سامنے رکھ دی گئی ہے اور تصویر بھی خود نبی کریمؐ کے ہاتھ کی کھینچی ہوئی ہے۔ اب ناظرین خود فیصلہ کریں کہ کیا دونوں تصویروں میں ایک شخص کی صورت نظر آرہی ہے؟ جس کو خدا نے آنکھیں دی ہیں وہ تو دونوں کو ایک نہیں کہہ سکتا۔ حضرت مرزا صاحبؑ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

موعودم و بحُلیہ ماثور آمدم حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم
رنگم چوں گندم است و بمو فرق بیّن است زانساں کہ آمداست در اخبار سرورم
ایں مقدمم نہ جائے شکوک است والتباس سید جُدا کند ز مسیحائے احمرم

"یعنی میں ہی موعود مسیح ہوں اور میں حدیثوں میں بیان شدہ حُلیہ کے مطابق آیا ہوں۔ حیف ہے کہ اگر لوگ آنکھ رکھتے ہوئے مجھے نہ دیکھیں۔ میرا رنگ گندم گوں ہے اور میرے بالوں میں بھی اس شخص کے بالوں سے فرق ہے جس کا ذکر میرے آقاؐ کے اقوال میں آتا ہے۔ میرے اس مقام کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ سرورِ کائناتؐ نے مجھے خود سُرخ رنگ والے مسیح ناصریؑ سے جُدا قرار دیا ہے۔"

آیت اِنَّہٗ لَعِلمٌ لّلسَّاعَۃِ پر ایک سرسری نظر

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مختصر سا نوٹ آیت اِنَّہٗ لَعِلمٌ لّلسَّاعَۃِ فَلا تَمتَرُنَّ بِھَا (سورۃ زخرف) کے متعلق درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا کیونکہ اور سب طرف سے امید منقطع دیکھ کر بعض اوقات ہمارے مخالف مولوی صاحبان اس آیت سے مسیح

ناصریؑ کے قرب قیامت کے زمانے میں نزول کا استدلال کیا کرتے ہیں۔ مگر ناظرین ابھی دیکھیں گے کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کچھ ہو تو ہو مگر یہ آیت ان کے مطلب کے لئے اتنا کام بھی نہیں دیتی۔ اوّل تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس آیت کے معنوں پر سب مفسّرین کو اتفاق ہے ؟ کیا سب لازماً اس سے یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسیحؑ قرب قیامت میں نازل ہوگا ؟ سنئے اس آیت میں بہت سے مفسّرین اس طرف گئے ہیں کہ اِنَّه کی ضمیر قرآن شریف کی طرف جاتی ہے نہ کہ عیسیٰؑ کی طرف۔ یعنی آیت کے اصل معنی یہ ہیں کہ قرآنِ شریف میں قیامت کی دلیل موجود ہے کیونکہ جس سورۃ میں یہ آیت واقع ہوئی ہے یعنی سورۃ زخرف اس میں قرآنِ شریف کا بہ تکرار ذکر ہے اور کئی دفعہ اِنَّه کا لفظ استعمال کر کے قرآنِ شریف کی طرف ضمیر پھیری گئی ہے اسی واسطے بہت سے مفسّرین نے اس ضمیر کو قرآنِ شریف ہی کی طرف راجع مانا ہے۔ ہاں بعض نے اِنَّه کی ضمیر بے شک عیسیٰؑ کی طرف پھیری ہے لیکن ایسے مفسّرین کے بھی آگے دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ بعض تو آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ قیامت کی نشانی ہیں یعنی وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے مگر بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ عیسیٰؑ قیامت کی ایک دلیل ہیں بلکہ گزشتہ مفسّرین تو الگ رہے خود اس زمانے کے بعض غیر احمدی علماء بھی اس آیت کے یہی معنی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود قیامت کی ایک دلیل ہے۔ چنانچہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی ہی کا ترجمہ لے لیجئے مولوی صاحب اس آیت کے ٹھیک وہی معنی کرتے ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں یعنی ''عیسیٰؑ بھی قیامت کی ایک دلیل ہیں۔'' اور پھر اس پر مولوی صاحب موصوف ایک نوٹ لکھتے ہیں جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :۔

> ''جو خدا عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ قیامت میں مُردوں کو جِلا اُٹھائے یا یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ دنیا میں آنا قربِ قیامت کی دلیل ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔''

دیکھئے اس جگہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی آیت کے اصل معنی یہی لکھتے ہیں کہ مسیحؑ کی معجزانہ پیدائش قیامت پر ایک دلیل ہے۔ اور گو انہوں نے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں

مگر مقدم انہی معنوں کو رکھا ہے کہ مسیح ناصریؑ کا وجود قیامت کی ایک دلیل ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول یہی معنی تھے۔ پھر بعض مفسّرین نے اِنَّہ کی ضمیر کو محمدؐ رسول اللہ کی طرف بھی پھیرا ہے۔

ان حالات میں ناظرین خود غور فرمائیں کہ کیا یہ آیت ایسے عظیم الشان مسئلے کے لئے بنیادی پتھر تصوّر کی جاسکتی ہے؟ کیا آپ کا نورِ قلب اس بات کے قبول کرنے کو تیار ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کے مسئلے کا ایک ایسی آیت پر دار و مدار ہو جس میں اکثر مفسّرین کے نزدیک مسیحؑ کا کوئی ذکر تک نہیں بلکہ ضمیر قرآنِ شریف کی طرف پھرتی ہو؟ اور پھر ایک دوسرے گروہ کے نزدیک بھی آیت میں مسیحؑ کا ذکر تک نہ ہو بلکہ ضمیر محمدؐ رسول اللہ کی طرف راجع ہوتی ہو اور صرف ایک قلیل گروہ کے خیال میں ضمیر عیسٰیؑ کی طرف پھرتی سمجھی جاوے لیکن اس خیال کے مفسّرین بھی آپس میں دست بہ گریباں ہوں۔ کوئی کہتا ہو کہ آیت کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مسیحؑ بوجہ اپنی معجزانہ اور خارق عادت پیدائش کے قیامت پر ایک دلیل تھے اور کوئی کہے کہ نہیں بلکہ چونکہ وہ قُربِ قیامت میں نازل ہوں گے اس لئے ان کو قیامت کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ دہلی میں مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی نے حضرت مرزا صاحبؑ کے سامنے مسیح ناصریؑ کے نزول کے متعلق یہی آیت پیش کی تھی۔ اس پر حضرت مرزا صاحبؑ نے جو جواب دیا وہ یہ ہے:۔

> چوتھی دلیل آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَ اِنَّہٗ لَعِلم للسَّاعَۃِ فَلا تَمتَرنَّ بِھَا اس جگہ بھی آپ مان گئے ہیں کہ یہ آیت آپ کے مطلب پر قطعیۃ الدلالت نہیں ہے لیکن میں آپ کو محض للہ یاد دلاتا ہوں کہ اس آیت کو حضرت مسیحؑ کے دوبارہ نزول سے شَتّی طور پر بھی کچھ تعلق نہیں۔ بات یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے وقت میں یہودیوں میں ایک فرقہ صدوقی نام تھا جو قیامت سے منکر تھا۔ پہلی کتابوں میں بطور پیشن گوئی کے لکھا گیا تھا کہ ان کو سمجھانے کے لئے مسیحؑ کی ولادت بغیر باپ کے ہوگی اور یہ ان کے لئے ایک نشان قرار دیا گیا تھا

جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ دوسری آیت میں فرماتا ہے وَلِنَجعَلَہٗ اٰیَۃً لِلنَّاس اس جگہ النّاس سے مُراد وہی صدوقی فرقہ ہے جو اُس زمانے میں بکثرت موجود تھا۔ چونکہ توریت میں قیامت کا ذِکر بظاہر کسی جگہ معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہ فرقہ مُردوں کے جی اُٹھنے سے بکلّی منکر ہو گیا تھا۔ اب تک بائیبل کے بعض صحیفوں میں موجود ہے کہ مسیحؑ اپنی ولادت کے رُو سے بطور عِلمُ السَّاعَۃِ کے ان کے لئے آیا تھا اب دیکھئے اس آیت کو نزول مسیحؑ سے تعلق کیا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ مفسّرین نے کس قدر جُدا جُدا طور پر اس کے معنی لکھے ہیں۔ ایک جماعت نے قرآنِ کریم کی طرف ضمیر اِنَّہٗ کی پھیر دی ہے کیونکہ قرآنِ شریف سے رُوحانی طور پر مُردے زندہ ہوتے ہیں اور اگر خواہ نخواہ تحکم کے طور پر اس جگہ نزول مسیحؑ مُراد لیا جائے اور وہی نزول ان لوگوں کے لئے جو آنحضرتؐ کے عہد میں تھے نشانِ قیامت ٹھہرایا جائے تو یہ استدلال وجود قیامت تک ہنسی کے لائق ہو گا اور جن کو یہ خطاب کیا گیا کہ مسیحؑ آخری زمانے میں نزول کر کے قیامت کا نشان ٹھہرے گا۔ تم باوجود اتنے بڑے نشان کے قیامت سے کیوں انکاری ہوئے۔ وہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ دلیل تو ابھی موجود نہیں۔ پھر یہ کہنا کس قدر عبث ہے کہ اب قیامت کے وجود پر ایمان لے آؤ شک مت کرو ہم نے دلیل قیامت کے آنے کی بیان کر دی۔" (الحق دہلی صفحہ ۳۸۔۳۹)

ناظرین غور فرمائیں کہ واقعی یہ کس قدر ہنسی کے قابل بات ہے کہ جو چیز آئندہ کسی زمانے میں ہونی ہے اس کو ان لوگوں کے لئے دلیل ٹھہرایا جاوے جواب موجود ہیں۔ مسیحؑ نے تو کسی آئندہ زمانے میں جا کر نازل ہونا تھا لیکن اس کے نزول کو نبی کریمؐ کے زمانے کے منکرین کے سامنے بطور دلیل کے پیش کیا جا رہا ہے۔ نعوذباللہ من ذٰلک۔ اگر ہمارے مخالف مولویوں کے معنی قبول کئے جائیں تو نعوذباللہ قرآن شریف دلائل کی رُو سے ایک نہایت بودی کتاب نظر آتی ہے۔ غور تو کیجئے کہ نبی کریمؐ کے زمانے کے مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ دیکھو مسیحؑ کا دوبارہ قربِ قیامت میں نازل ہونا قیامت کی ایک دلیل ہے پس تم قیامت کے متعلق کسی شک میں نہ پڑو! کیا اس سے بھی زیادہ کوئی کمزور دلیل ہو گی؟

موجودہ لوگوں کے لئے تو جو چیز واقع ہو چکی ہو یا ان کی زندگی میں واقع ہو جانے والی ہو اس کو کسی آئندہ واقع ہونے والی چیز کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے مگر یہ دلیل عجیب ہے کہ دیکھو تمہارے مرنے کے بعد آخری زمانے میں مسیحؑ نازل ہو گا اس لئے تم قیامت کے وجود میں کوئی شک وشبہ نہ کرو! خدا تعالیٰ کی طرف ایسے لغو اور بیہودہ دلائل منسوب کرنا سراسر معصیت میں داخل ہے مگر چودھویں صدی کے مولویوں کو کون سمجھاوے؟

باب پنجم

(بعض متفرق شُبہات کا اِزالہ)

اس قدر لکھنے کے بعد میں ناظرین کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ازراہِ مہربانی غور کریں کہ کس طرح ہم نے قرآنِ شریف اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت کر دیا ہے کہ مسیح ناصریؑ آسمان کی طرف زندہ نہیں اُٹھائے گئے بلکہ ان کا انہی معنوں میں رفع ہوا جن معنوں میں کہ تمام مقربین بارگاہ الٰہی کا رفع ہوا کرتا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہ بھی روزِروشن کی طرح ثابت کر دیا کہ قرآنِ شریف اور احادیث پکار پکار کر گواہی دے رہے ہیں کہ مسیح ناصریؑ فوت ہو چکا ہے اور جو شخص وفات پا جاتا ہے سُنّت اللہ اس کے زندہ ہو کر دُنیا میں واپس آنے کو ممتنع قرار دیتی ہے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ کلام اللہ اور اقوالِ الرسولؐ سے صاف صاف آپ کو دکھا دیا گیا کہ نبی کریمؐ کے تمام خلفاء اسی اُمّتِ مرحومہ میں سے ہوں گے بلکہ مسیح موعودؑ کے لئے خصوصیت کے ساتھ آپ کے سامنے الفاظ اِمَامُکُم مِنکُم نکال کر رکھ دیئے گئے اور بِالآخر آپ کی کامل تسلّی کے لئے ہم نے خاتم النّبیینؐ کے ہاتھ کے کھینچے ہوئے دونوں مسیحوں کے الگ الگ فوٹو بھی آپ کے سامنے رکھ دیئے اس سے زیادہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ میں اپنے عقلمند ناظرین پر صریح ظلم کرنے والا ہوں گا اگر میں یہ خیال کروں کہ ان عظیم الشان شہادتوں کے ہوتے ہوئے ان کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال آسکتا ہے کہ مسیح

ناصریؑ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور کسی زمانے میں دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے ؟ ہاں اب ان کے دل میں یہ خلجان پیدا ہونا ایک حد تک طبعی امر ہے کہ جب قرآنِ شریف اور احادیث اور صحابہؓ کے اقوال اس صفائی سے مسیحؑ پر فاتحہ خوانی کررہے ہیں تو تمام اُمّت اتنی صدیوں سے مسیحؑ کو کیوں زندہ مانتی چلی آئی ہے ؟

حیاتِ مسیحؑ کے عقیدہ پر اُمتِ محمدؐیہ کا اجماع کبھی نہیں ہوا

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ تمام اُمّت کا اس عقیدہ پر اجماع رہا ہے۔ سلفِ صالحین میں سے بہت لوک ایسے گزرے ہیں جنہوں نے مسیح ناصریؑ کی وفات کا اقرار کیا ہے۔ کیا آپ کو یاد نہیں رہا کہ جیسا کہ اُوپر بیان کیا جا چکا ہے سب سے پہلا اجماع جو آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ کا ہوا وہ اِسی بات پر تھا کہ آنحضرتؐ سے پہلے جتنے نبی ہوئے وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر حضرت ابنِ عباسؓ نے مُتَوَفِّيكَ کے معنی مُمِيتكَ بیان کر کے اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا اور امام بخاریؒ نے اس کو اپنی صحیح میں درج کر کے اس پر اپنی مہر کر دی۔ پھر مجمع البحار میں لکھا ہے :۔

وَالْاَكْثَرُ اَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَمُتْ وَ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ

"یعنی اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔"

پھر امام ابن حزم کی نسبت لکھا ہے کہ :۔

وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزَمَ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ

"یعنی ابنِ حزم نے ظاہر آیت پر تمسّک پکڑ کر مسیحؑ کی وفات بیان کی ہے۔"

پھر حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ مسیحؑ کا دوسرا نزول بُروزی طور پر ہوگا یعنی

مسیحؑ خود نہیں آئیں گے بلکہ ان کا کوئی بروز آئے گا جو ان کی خو بو پر ظاہر ہو گا [1]۔ ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اُمّتِ محمدؐیہ کا اِس باطل مسئلے پر اجماع رہا ہے بلکہ خلاف اس کے اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اگر اُمت کا کسی مسئلے پر کبھی اجماع ہوا ہے تو وہ وفاتِ مسیحؑ ہی کا مسئلہ ہے جیسا کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ کا اجماع ہوا اور صحابہؓ کے زمانے کے بعد تو اُمّتِ محمدؐیہ کثرت کے ساتھ دور دراز ملکوں میں پھیل گئی اور منتشر ہو گئی اس لئے صحابہؓ کے بعد کے زمانے میں کسی مسئلے کے متعلق اجماع کا دعویٰ کر دینا تو آسان ہے لیکن اس کو ثابت کرنا ناممکنات سے ہے اسی لئے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ ہاں یہ بات بے شک درست ہے کہ کئی صدیوں سے مسیحؑ کی حیات کا مسئلہ عام طور پر لوگوں میں پھیلا ہوا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کسی غلط عقیدے کا عام طور پر رائج ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔ دیکھئے آج کل مسلمانوں کے کم از کم بہتر فرقے ہو رہے ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہ سب اپنے عقائد میں درست ہوں۔ اگر درست ہیں تو اختلاف کیسا۔ یہ اختلاف ظاہر کرتا ہے کہ بعض غلط عقائد مسلمانوں کے اندر آ گئے ہیں۔ اب ناظرین بتائیں کہ وہ غلط عقائد کہاں سے آ گئے؟ قرآنِ شریف اور حدیث نے تو یقیناً صحیح عقائد ہی بیان کئے ہوں گے پھر ان کے ہوتے ہوئے غلط عقائد کیسے داخل ہو گئے؟ جو جواب آپ دیں گے وہی ہماری طرف سے سمجھ لیجئے۔ مگر میں صرف الزامی جواب دے کر آپ کو خاموش نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا منشا تو یہ ہے کہ کسی طرح آپ کی تسلّی ہو اس لئے سنئے!

حیاتِ مسیحؑ کا عقیدہ کس طرح مسلمانوں کے اندر داخل ہو گیا؟

ناظرین کو معلوم ہو گا کہ جب اسلام کی فتوحات کا زمانہ تھا اس وقت عیسائی لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان اپنے پُرانے خیالات کو آہستہ

---

[1] یہ چند مثالیں صرف بڑے بڑے اماموں کی بیان کی گئی ہیں ان کے متبعین الگ رہے جو انہی کے تابع سمجھے جائیں گے۔ منہ

آہستہ چھوڑتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک مثل مشہور ہے کہ رام کا نام نکلتے نکلتے ہی نکلے گا اور اللہ کا نام داخل ہوتے ہوتے ہی ہوگا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ یہ لوگ جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے وہ گو اسلام کی صداقت کو مان کر ہی مسلمان ہوتے تھے لیکن طبعاً خیالات میں یکلخت پورا انقلاب نہ ہونے کی وجہ سے وہ تفصیلی امور میں بعض عیسائی خیالات اپنے ساتھ لاتے تھے جن کا ایک دن میں دل سے نکل جانا ممکن نہ ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے دلوں سے مسیح ناصریؑ کی بے جا محبت شرک کے مقام سے تو بے شک نیچے گر گئی تھی لیکن ابھی کلی طور پر دل سے نہیں نکلی تھی اس لئے قرآنِ شریف اور احادیث میں جہاں کہیں مسیحؑ کا ذکر آتا ہے وہاں طبعاً ان لوگوں نے کچھ حاشئے چڑھائے اور مسلمان آہستہ آہستہ خاموش طریق پر ان کے خیالات سے متاثر ہوتے گئے[1]۔ جب تک صحابہ کا ایک کثیر حصہ زندہ رہا اس وقت تک تو ایسا اثر قطعاً ممکن نہ تھا لیکن صحابہؓ کے زمانے کے بعد خود نسلی مسلمان بھی ایک حد تک ان نو مسلموں کے اثر کے نیچے آگئے اور اس طرح آہستہ آہستہ بعض غلط عقائد مسلمانوں کے اندر رائج ہو گئے۔ بھلا آپ غور فرمائیں کہ قرآن شریف میں مسیح ناصریؑ کے متعلق آتا ہے کہ اس نے مُردے زندہ کئے اس کے صاف یہ معنی تھے کہ وہ لوگ جو روحانی طور پر مُردہ تھے ان کے اندر اس نے زندگی کی روح پھونکی جس طرح کے تمام نبیوں کا کام ہے۔ خود محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں کہ اے لوگو جب تم کو خدا کا رسول زندہ کرنے کیلئے بلائے تو اس کی بات پر لبیک کہا کرو۔ مگر باوجود اس کے مسیحؑ کے لئے جب زندہ کرنے کے الفاظ آئے تو وہاں ان لوگوں نے حقیقی مُردوں کو زندہ کرنا سمجھ لیا۔ اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں مسیحؑ کے متعلق خلق کا لفظ آگیا تو اس کو نعوذ باللہ حقیقی طور پر خالق ہی مان لیا گیا حالانکہ ایسے الفاظ بطور استعارہ کے ہوتے ہیں۔ یہی حال اس مسئلہ میں ہوا۔ عیسائی مذہب میں پہلے سے ہی مسیحؑ کی دوبارہ آمد کی خبر موجود تھی جسے تمام عیسائی لوگ خود مسیحؑ کا دوبارہ آنا سمجھتے تھے جب یہ لوگ

---

[1] یہی وجہ ہے کہ ہمارے گزشتہ مفسّرین قرآن شریف کی تفسیر کرتے ہوئے خواہ مخواہ اسرائیلی کہانیاں بیان کرنے لگ جاتے ہیں۔

جوق در جوق مسلمان ہو کر اسلام کے اندر آئے تو انہوں نے اسلام میں بھی مسیحؑ کی آمد کی خبر پائی جس سے فوراً انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ وہی خبر ہے جو عیسائیت میں بھی موجود ہے کہ مسیحؑ دوبارہ آئے گا۔ خیر آگے عربی محاورہ کے مطابق لفظ نزول کا بھی مل گیا۔ بس پھر کیا تھا اس خیال پر پختہ طور پر جم گئے کہ اسرائیلی مسیحؑ بذاتِ خود آخری ایام میں نازل ہوں گے۔ مسیحؑ کی محبت نے اس بات کی اجازت ہی نہیں دی کہ قرآن کھول کر غور کریں کہ یہ عقیدہ قرآن کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ بعد میں جو لوگ آئے ان کو اتنی جرأت کہاں کہ اسلاف کے خلاف کوئی کلمہ منہ پر لائیں اندھا دُھند اس عقیدہ کی تلقین کرتے آئے۔ صرف کوئی کوئی ایسے بہادر نکلے جنہوں نے اس باطل عقیدہ کے خلاف جرأت کر کے قرآن اور احادیث صحیحہ پر نظر غائر ڈالی تو دیکھا کہ معاملہ تو کچھ اور ہے۔ عوام الناس کی مخالفت کی تاب ہوئی تو برملا کہا کہ عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں ورنہ سینے میں ہی اپنی تحقیقات کو دبائے ہوئے اس جہان سے سُدھار گئے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ باپ دادا کے عقیدوں کو چھوڑنا عوام کے لئے نہایت مشکل ہوتا ہے۔ قرآن کھول کر دیکھو شروع سے ہی عوام کی یہ آواز رہی ہے کہ :

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

"یعنی ہم تو اسی بات پر ہی قائم رہیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔"

مگر خدا نے بھی خوب جواب دیا کہ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ہمارا بھی یہی جواب ہے۔ مگر نہ سننے والوں نے خدا کی نہیں سنی تو ہم کس حساب میں ہیں!۔

عیسیٰ ابن مریم کا نام استعمال کرنے میں حکمت

یہ مضمون نامکمل رہے گا اگر میں آخر میں وہ وجہ نہ بتاؤں جس کی بناء پر نبی کریمؐ نے آنے والے کو مسیح ابن مریم کے نام سے یاد کیا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ آئندہ مبعوث ہونے والے مامورین کے نام جو کسی نبی کے ذریعے بتائے جاتے ہیں وہ عام طور پر

کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے ان کو ظاہر پر حمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ عام طور پر اُن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ آنے والے اور اس نام کے درمیان کسی گہرے صفاتی تعلق کو ظاہر کریں۔ مثلاً بنی اسرائیل کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ مسیحؑ کے ظہور سے پہلے الیاسؑ یعنی ایلیا نبی کا دوبارہ نزول ہوگا (ملاکی باب ۴ آیت ۵) جن کی نسبت یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں۔ (سلاطین باب ۲ آیت ۱۱) ان حالات میں ظاہر پرست یہود نے ایلیا نبی کے نزول سے یہ سمجھا کہ وہ ایلیا جو پہلے گزر چکا وہی بذاتِ خود نازل ہوگا اور اس کے بعد موسوی سلسلہ کا مسیحؑ آئے گا۔ اس لئے جب حضرت عیسیٰؑ نے مسیحیت کا دعویٰ کیا تو یہود نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہماری کتابوں میں تو لکھا ہے کہ مسیحؑ سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے نازل ہوگا۔ لیکن چونکہ ابھی تک ایلیا نہیں آیا اس لئے عیسیٰؑ کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب عیسیٰؑ علیہ السلام نے سُنّت اللہ کے مطابق یہ دیا کہ ایلیا کی جو پیش گوئی کی گئی تھی اس سے خود ایلیا کا آنا مُراد نہیں تھا۔ بلکہ وہ استعارہ کے رنگ میں ایسے نبی کی خبر تھی جو ایلیا کی خُو بُو پر آئے گا اور وہ آچکا ہے اور وہی یحییٰؑ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے (متی باب ۱۱۔ آیت ۱۳ و ۱۴) لیکن ظاہر پرست یہودی اسی بات پر جمے رہے کہ خود ایلیاؑ کا دوبارہ آنا لکھا ہے اس لئے یحییٰ کا آنا اُس کا آنا نہیں ہو سکتا۔ اور اس طرح وہ نجات سے محروم ہوگئے۔ اس مثال سے یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ پیش گوئیوں میں آئندہ آنے والے مصلحوں کے جو نام بتائے جاتے ہیں اُن کو ہمیشہ ظاہر پر حمل کرنا سخت ہلاکت کی راہ ہے جس سے ہر مومن کو پرہیز لازم ہے۔ دیکھئے کجا ایلیا نبی کا آنا اور کجا یحییٰ کا؟ مگر مسیحؑ یحییٰؑ کو ہی ایلیا قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ایلیا کی خو بو پر اور اس کی صفات کا حامل ہو کر ظاہر ہوا تھا۔ اسی طرح قرآن شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے ایک رسول کی آمد کی خبر دی تھی جس کا نام **احمد** ہوگا۔ اب ہمارے تمام مخالفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ پیش گوئی نبی کریمؐ کے آنے سے پوری ہو چکی ہے لیکن کیا نبی کریم کا نام احمد تھا؟ یہ درست ہے کہ نبی کریمؐ نے نبوت کے دعویٰ کے بعد یہ فرمایا کہ میں احمدؐ بھی ہوں لیکن دعوے کے

بعد اس نام کو اپنی طرف منسوب کرنا مخالف پر کسی طرح حجّت نہیں ہو سکتا۔ مخالف پر تو تب ہی حجّت ہو جب کہ یہ ثابت کیا جاوے کہ آپؑ کے بزرگوں کی طرف سے آپ کا یہ نام رکھا گیا تھا یا یہ کہ دعوے سے پہلے آپؑ کبھی اس نام سے پکارے گئے لیکن احادیث صحیحہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں اس لئے سوائے اس کے اس کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے کہ آسمان پر آپؑ کا نام احمدؑ تھا جس طرح کہ آسمان پر یحییٰ کا نام ایلیا تھا۔

ان دو مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پیش گوئیوں میں جو نام بتائے جاتے ہیں وہ لازماً ظاہر میں پائے جانے ضروری نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات وہ کسی باطنی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے والے ہوتے ہیں[1]۔ اب سوال ہوتا ہے کہ آنے والے مصلح کے متعلق مسیح ابن مریم وغیرہ نام استعمال کرنے میں کون سی مخفی حکمت ہے؟ اس کے جواب میں کئی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر اس جگہ سب کا درج کرنا موجبِ طوالت ہوگا اس لئے چند موٹی موٹی حکمتوں کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آنے والا مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خُوبُو پر آنا تھا جس طرح ایلیا نبی کی خوبو پر یحییٰ نبی آیا۔ حضرت عیسیٰ صلح اور امن کے شہزادے تھے انہوں نے تمام عمر جمال کے رنگ میں صلح اور نرمی کے ساتھ اپنی رسالت کی تبلیغ کی اور اگر مخالفوں نے کبھی سختی بھی کی تو انہوں نے صبر سے کام لیا اور مقابلہ نہیں کیا اسی طرح اُمّتِ محمدیہؐ کے مسیح موعودؑ نے آنا تھا جیسا کہ خود نبی کریمؐ نے مسیح موعود کے متعلق فرمایا ہے کہ یَضَعُ الحَربَ (بخاری کتاب الانبیاء) یعنی جب مسیح موعود ظاہر ہوگا تو وہ تلوار کے جہاد کو ملتوی کر دے گا کیونکہ وہ جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں ہوگا۔

---

[1] اس جگہ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیحؑ ابن مریم کا نام جو نبی کریمؐ نے لیا تو اب یہ اس وقت تک اپنے اصل مفہوم میں سمجھا جائے گا جب تک اس کے خلاف کوئی قرینہ صارفہ نہ ثابت کیا جائے اس کا اصل اور موٹا جواب تو یہی ہے کہ جب قرآن شریف صفائی کے ساتھ پہلے مسیحؑ کو وفات یافتہ کہتا ہے اور مُردوں کا زندہ ہو کر اس دنیا میں آجانا بھی اسلامی تعلیم کی رُو سے ممتنع ہے تو پھر اس سے بڑھ کر قرینہ صارفہ کیا ہوگا؟ اس سے واضح تر قرینہ صارفہ تو خیال میں نہیں آسکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرینہ صارفہ ہم سے کیوں پوچھا جاتا ہے؟ قرینہ صارفہ نکالنا تو غیر احمدیوں کا فرض ہے کیونکہ خدا کو تو حقیقتِ اشیاء سے تعلق ہے ان کے ظاہری ناموں سے تعلق نہیں ہے ہم بے شک عرف کی خاطر ظاہری ناموں کا لحاظ رکھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ اشیاء کی اصل حقیقت کو مدّنظر رکھتا ہے اور اس کی نظر میں اصل نام صفتی نام ہی۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوسری حکمت اس میں یہ تھی کہ جس طرح مسیح ناصریؑ موسوی سلسلے کا خاتم الخلفاء تھا اسی طرح یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ آنے والا مسیح نبی کریمؐ کا آخری خلیفہ ہوگا اور خاتم الخلفاء کہلائے گا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس جگہ آخری خلیفے سے آخری مستقل خلیفہ مُراد ہے نہ کہ مطلقاً ہر قسم کا خلیفہ۔ یعنی مُراد یہ ہے کہ مسیح موعود خود تو نبی کریمؐ کا مستقل خلیفہ ہوگا مگر مسیح موعودؑ کے بعد جو خلیفے ہوں گے وہ دراصل مسیح موعود کے خلیفے ہوں گے اور اس کی وساطت سے نبی کریمؐ کے بھی خلیفے کہلائیں گے کیونکہ محمدیؐ سلسلہ قیامت تک چلے گا۔

تیسری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں عیسائیت بہت زور پکڑے گی اور صلیبی مذہب بڑے غلبہ کی حالت میں ہوگا اس لئے آنے والے مصلح کا ایک بڑا کام یہ بھی رکھا گیا کہ یَکسِرُ الصَّلِیبَ یعنی مسیح موعود صلیبی مذہب کا زور توڑ دے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کسی نبی کی اُمّت میں فساد برپا ہوتا ہے تو پھر رُوحانی طور پر اس نبی کا ہی یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس فساد کو دُور کرے جس طرح اگر کسی حکومت میں فساد ہو تو باہر کی حکومتوں کا فرض نہیں ہوتا کہ اس فساد کو دُور کریں بلکہ خود اسی حکومت کا یہ فرض ہوتا ہے۔ اب ایک طرف تو آخری زمانے کے لئے مقدّر تھا کہ وہ عالم گیر فساد کا زمانہ ہوگا اور تمام اُمتوں میں فساد برپا ہو جائے گا۔ ایسے وقت

(بقیہ حاشیہ) ہوتا ہے نہ کہ ظاہری نام مثلاً اگر ایک غلام رسول نامی مسلمان عیسائی ہو جائے تو گو ہم تو عرف کی وجہ سے اسے اسی نام سے پکاریں گے مگر خدا کی نظروں میں وہ اب بجائے غلام رسول کے عدوّالرسول ہو چکا ہے اس لئے خدا اسے عدوّ الرسول ہی کہے گا اس لئے خدا نے جب آنے والے کے متعلق ابن مریم کا نام استعمال کیا تو وہ ظاہری طور پر اس نام سے کوئی غرض نہیں رکھتا بلکہ چونکہ گزشتہ ابن مریم کے حالات اور صفات نے اس نام کے ایک خاص معنی مخصوص کر دیئے ہوئے ہیں۔ یعنی جمالی رنگ میں صلح سے کام کرنے والا اور ایک سلسلہ کا آخری خلیفہ۔ اس لئے خدا نے اس نام کو اسی حقیقت کے ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا اور نہ صرف ابنِ مریم کا عرفی نام خدا کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ لہٰذا خدا کے کلام میں یقینی طور پر ابنِ مریم سے مُراد گزشتہ ابن مریم کی خو بو پر آنے والا انسان ہونا چاہئے۔ اور جب یہ ثابت ہے تو ہم سے قرینہ صارفہ کا تقاضا کیسا؟ ہمارا دعویٰ سنّت اللہ کے مطابق ہے کہ اس نے اپنے اُصول کے مطابق اس نام کو اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ ہاں جو لوگ اس نام کو اس کی قائم شدہ حقیقت سے ہٹا کر صرف ایک عرفی اور رسمی نام تجویز کرتے ہیں وہ بے شک اسے حقیقت سے ہٹا کر مجاز کے رنگ میں لیتے ہیں اس لئے اُن پر واجب ہے کہ اپنے معنوں کی تائید میں کوئی دلیل پیش کریں۔

کے لئے ضرورت تھی کہ تمام اُمتوں کے بانیوں کے بروز ظاہر ہوتے جوان کے مثیل بن کر اصلاح کا کام کرتے لیکن دوسری طرف اسلام کی آمد اور خاتم النّبیینؐ کے ظہور نے تمام رُوحانی پانی اپنے اندر کھینچ لیا ہے اور اب کوئی مصلح اسلام کے باہر کبھی اور اُمّت میں ظاہر نہیں ہو سکتا اس لئے تمام نبیوں کا بروز ایک ہی وجود میں اسلام میں پیدا کیا جانا ضروری تھا۔ اس آنے والے مصلح کا کام یہ رکھا گیا کہ تمام اُمتوں کی اصلاح کرے۔ اس طرح اس موعود مصلح کا کام دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک خود اُمّت محمدیہؐ کی اصلاح اور دوسرے باقی اُمتوں کی اصلاح۔ لیکن چونکہ باقی اُمتوں کی اصلاح کے کام میں سب سے بڑا کام حضرت عیسیٰؑ کی اُمت کی اصلاح تھی جیسا کہ حدیث کے الفاظ یَکسِرُ الصَّلِیبَ سے ظاہر ہے اس لئے اس پہلو کے لحاظ سے آنے والے کو خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ بن مریم کا خطاب دیا گیا اور دیگر اُمتوں کی اصلاح کے لحاظ سے صرف مجملاً وَ اِذَا الرُّ سُلُ اُقِّتَت (مرسلات رکوع ۱) کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ "یعنی آخری زمانے میں تمام رسولوں کے بروز جمع کئے جائیں گے"۔ اس کے مقابل میں اُمّت محمدیہؐ کی اصلاح کا کام بھی ایک خصوصیت کا کام تھا اس لئے اس پہلو کے لحاظ سے آنے والے کا نام مہدی رکھا گیا جو اس ارشادِ نبویؐ کے مطابق تھا کہ اَلخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ المَهدِیِّین "یعنی میرے خلفاء سیدھے رستہ پر چلنے والے مہدی ہوں گے"۔ اور ظاہر ہے کہ موعود امام نے مسلمانوں کی اصلاح کے کام میں نبی کریمؐ کا سب سے بڑا خلیفہ ہونا تھا[1]۔ عیسیٰؑ بن مریم کے نام میں اور بھی بعض حکمتیں ہیں مگر ایک صاف دل کی تسلّی کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

---

[1] ہم نے لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک شخص کے ہی دو نام ہیں۔ اس پر طبعاً ناظرین کو خیال پیدا ہو گا کہ ہم تو ان دونوں کو دو مختلف وجود سنتے اور سمجھتے چلے آئے ہیں یہ ایک کس طرح ہو سکتے ہیں۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہئے کہ آخری زمانے کے موعود کو دو مختلف حیثیتوں کی وجہ سے یہ دو مختلف نام دیئے گئے ہیں اس سے یہ مُراد ہرگز نہیں کہ ایک ہی وقت میں دو مختلف شخص ظاہر ہوں گے۔ مگر عام مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ ایک ہی وقت میں دو مصلحوں کے ظہور کی خبر دی گئی ہے۔ نبی کریمؐ نے تو اس خیال سے کہ مسلمان مہدی اور مسیح کو الگ الگ نہ سمجھنے لگ جائیں یہاں تک احتیاط فرمائی تھی کہ فرمایا لَا المَهدِیُّ اِلَّا عِیسٰی (ابن ماجہ و حاکم) "یعنی عیسیٰ کے وقت میں عیسیٰ کے سوا کوئی اور مہدی موعود نہیں ہو گا" مگر افسوس کہ ہمارے مسلمان بھائی باوجود اس کے ٹھوکر کھانے سے نہ بچے۔

رسالہ ہٰذا کا اختتام اور مصنّف کی دِلی دعا

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے ناظرینِ کرام کے سینوں کو فراخ کرے تاوہ اپنی غلطی کے اعتراف کرنے میں ضد سے کام نہ لیں بلکہ حق کُھل جانے پر اسے قبول کر لینے کو تیار ہوں۔ میں تو جب اس مسئلے پر نظر ڈالتا ہوں تو محوِ حیرت ہو جاتا ہوں کہ ایسا بودہ مسئلہ کس طرح مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہو گیا۔ مگر اب وقت ہے کہ ایسی باتوں سے اسلام کا دامن پاک کیا جاوے جو صریح اسلامی تعلیم کے خلاف ہونے کے علاوہ ہمارے آقا سید الاوّلین والآخرینؐ کی ہتک کا موجب ہو رہی ہیں۔ خدا مسلمانوں کی آنکھوں کو کھولے تاوہ دیکھیں کہ ان غلط اور فاسد عقائد نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ صرف ہندوستان میں ہی پچھلے چند سالوں میں لاکھوں کلمہ گو مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کا گناہ مولویوں کی گردن پر ہے۔ عیسائی مشنری بھولی بھالی صورت بنا کر مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور بڑی نرمی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دیکھو تمہارے نبی تو مر گئے اور مدینے میں زیرِ خاک مدفون ہیں لیکن ہمارا مسیح دو ہزار سال سے اب تک نہ صرف زندہ ہے بلکہ آسمان پر خدا کے پاس بیٹھا ہے بتاؤ کون افضل ہوا اور کون زندہ نبی ثابت ہوا اور کون مُردہ نبی نکلا؟ مسلمانوں کے لئے مسیحؑ کی وفات کا کلمہ تو منہ پر لانا کفر ہوا ناچار دبی زبان سے یہی قبول کر لیتے ہیں کہ اس بات میں تو مسیح ہی افضل ہے۔ اس کے بعد پادری صاحب کہتے ہیں کہ دیکھو آخری زمانے میں جب اُمّت محمدیہؐ میں فساد اور گمراہی پھیلے گی تو اس کی اصلاح کے لئے خدا ہمارے مسیحؑ کو آسمان پر سے بھیجے گا۔ معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسا فساد ہو گا کہ اس کی اصلاح (نعوذ باللہ) اسلام کے نبی کی رُوحانی طاقت سے بالا ہو گی ورنہ خدا نے اگر کسی کو زندہ رکھ کر ہی آخری زمانے میں اُمّتِ محمدیہؐ کی اصلاح کروانی تھی تو خود محمدؐ صاحب کو زندہ رکھا جاتا مگر اس اہم کام کے لئے محمدؐ صاحب کی بجائے ہمارے مسیحؑ کو زندہ رکھا گیا۔

یہاں تک تو مسیحؑ کی افضلیت منوائی جاتی ہے اس کے بعد اگلا قدم اُٹھایا جاتا ہے۔ پادری صاحب نہایت سادگی سے بولتے ہیں کہ محمدؐ صاحب سے جب ان کے مخالفوں نے آسمان پر جانے کا معجزہ طلب کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا۔ میں تو صرف ایک انسان ہوں اور انسان کا آسمان پر جانا ممتنع ہے مگر دیکھو تم بھی مانتے ہو کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر جا پہنچا۔ ان باتوں کا جواب کون دے ؟ اگر عوام مولویوں کے پاس جائیں تو ان کے ایمانوں کی بودی چٹانوں پر پہلے سے ہی ان باتوں نے زلزلہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ ادھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹال دیتے ہیں۔ یہ بے چارے جب مولویوں کی طرف سے تسلّی بخش جواب نہیں پاتے تو چاروناچار گرجا کی طرف رُخ کرتے ہیں۔

آہ افسوس! وہ مذہب جو کسی زمانے میں یَدخُلُون فی دِینِ اللّٰہِ اَفواجا کا مصداق تھا آج یَخرُجُونَ مِن دِینِ اللّٰہِ اَفوَاجا کا تماشہ گاہ بن رہا ہے [1]۔ کیا کوئی مسلمان کہلانے والا انسان ہے جس کے دل میں یہ باتیں درد پیدا کریں ؟ آہ ! بہت تھوڑے ہیں جو صحت نیت کے ساتھ ان مسائل پر غور کرتے ہیں ورنہ معاملہ تو بالکل صاف ہے۔ وہ جس کی آمدِ ثانی کا انتظار کیا جارہا ہے وہ خود پکار پکار کر اپنی دوسری آمد کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ ایلیا نبی جس کی نسبت خیال تھا کہ مسیحؑ سے پہلے آسمان سے اُترے گا اس کی آمد ثانی کو مسیحؑ نے اس کے کسی مثیل کی آمد قرار دیا ہے۔

(متی باب ۱۱ آیت ۱۳ او ۱۴)

تعجب ہے باوجود ایک کُھلی نظیر سامنے ہونے کے پھر بھی مسلمان اس مسئلے میں ٹھوکر کھا رہے ہیں۔ بعینہٖ جس طرح مسیح ناصریؑ کی نسبت کہا گیا کہ وہ آخری دنوں میں نازل ہوگا اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایلیا کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ مسیح سے پہلے نازل ہوگا۔

---

[1] یہ عبارت ملکی تقسیم سے بہت قبل یعنی ۱۹۱۷ میں لکھی گئی تھی جب کہ ملک میں مسیحیت کے فتنہ کا زور تھا۔ اب خدا کے فضل سے..... مسلمانوں کے دل میں سیاسی شعور پیدا ہو جانے کی بناء پر اسلام سے ظاہری ارتداد کا منظر تو کم نظر آتا ہے اور قومی نعرے زور شور سے لگائے جاتے ہیں مگر حقیقت اور عمل کے لحاظ سے اسلام اب بھی ویسا ہی کمزور ہے اور دُنیا میں دجالی اثرات اسی طرح زور آزما ہیں۔ حق یہ ہے کہ ملک سے انگریز تو بے شک چلا گیا مگر مغربیت اور مادیت اسی طرح قائم ہے اور دین کی سچی رُوح مفقود نظر آتی ہے۔

لیکن حیرت کا مقام ہے کہ ایلیا کہ وعدے کو تو ایک مثیل کے ذریعے پورا شدہ مان لیا جاتا ہے لیکن مسیحؑ کے بذاتِ خود اُتارے جانے پر اصرار ہے! افسوس جس جگہ یہود نے ٹھوکر کھائی اُسی جگہ مسلمانوں نے بھی ٹھوکر کھائی۔ مگر یہود ایسی گرفت کے نیچے نہیں ہیں جیسے کہ مسلمان ہیں کیونکہ یہود کے سامنے کوئی سابقہ نظیر موجود نہیں تھی لیکن مسلمانوں کے لئے اس قسم کے وعدہ کی نظیر موجود ہے اور وہ دیکھ چکے ہیں کہ کسی گزشتہ نبی کے آنے سے اس کے مثیل کا آنا مُراد ہوتا ہے نہ کہ خود اُسی کا آنا۔

آہ سچ فرمایا تھا نبی کریمؐ نے کہ میری اُمّت کے لوگ یہود کے قدم بہ قدم چلیں گے (بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۹۱) یعنی جس طرح یہود نے ایک گزشتہ نبی کی آمد کے وعدہ کو خود اُسی نبی کی آمد سمجھ لیا تھا اسی طرح میری اُمّت کے لوگ بھی کریں گے۔ لیکن مسلمانوں نے اس تنبیہہ سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور صرف اس وجہ سے آنے والے کا انکار کر دیا کہ مسیح ناصریؑ کے آنے میں نہ صرف محمدؐ کی ہی سخت ہتک ہے بلکہ خود مسیحؑ کی بھی ہتک ہے۔ کیونکہ مسیح ناصریؑ خواہ نبی کریمؐ سے درجہ میں کتنا ہی چھوٹا ہو پھر بھی وہ خدا کا ایک برگزیدہ رسول تھا جس نے نبوّت کا مقام نبی کریمؐ کی اتباع کی وجہ سے نہیں پایا بلکہ اُسے یہ انعام مستقل حیثیت میں براہِ راست خدا کی طرف سے ملا تھا۔ اب اُسے دوبارہ اُتارنے کے یہ معنی ہیں کہ اُسے نعوذ باللہ اُس کی مستقل نبوّت کے مقام سے معزول کر دیا جاوے اور صرف ایک اُمّتی کی حیثیت دی جاوے۔ کیونکہ اگر وہ دوبارہ نازل ہو کر بھی مستقل حیثیت میں نبی ہی رہے گا تو یہ بات صریحاً ختم نبوت کے منافی ہے۔ خاتم النّبیینؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا خواہ نیا ہو یا پرانا جس نے نبوت کا مقام مستقل حیثیت میں براہِ راست بغیر کامل اتبّاع نبی کریمؐ کے پایا ہو۔ آپؐ کے بعد صرف ایسی نبوت کا دروازہ کھلا ہے جسے ظلّی نبوت کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں یعنی ایسی نبوت جو نبی کریمؐ کی نبوت کا ظِل ہے نہ کہ مستقل نبوت۔ پس اس صورت میں جبکہ آیت خاتم النّبیین نبوتِ مستقلہ کے دروازے کو بڑے زور سے بند کر رہی ہے تو مسیح ناصریؑ کا اُترنا صرف ایسی صورت میں ہی ہو سکتا ہے کہ اسے نعوذ باللہ نبوتِ مستقلہ کے

مقام سے ہٹا کر صرف ایک اُمّتی کی حیثیت دی جاوے مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کی صریح سُنّت کے خلاف ہے جو اُس نے ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ :۔

بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

(سُورہ انفال رکوع ۳)

"یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی انعام دے کر اس سے یہ انعام ہرگز واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل لے"۔

تو اب اس صریح اور واضح آیت کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح مان لیا جاوے کہ مسیح ناصریؑ بذاتِ خود آخری دنوں میں نازل ہو گا۔ کیونکہ اس کے نازل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے نعوذ باللہ خواہ مخواہ اس کی مستقل نبوّت کا مقام چھین لیا جاوے گا۔

پھر یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ مسیح ناصریؑ کے متعلق فرماتا ہے :۔

رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (سُورۃ آل عمران رکوع ۵)

"یعنی مسیحؑ ناصری بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا"۔

اب اگر وہی مسیحؑ نازل ہو تو اس کی بعثت بجائے صرف بنی اسرائیل کے ساری دنیا کے لئے ماننی پڑے گی مگر یہ مندرجہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے۔ پس اب جس شخص کو قرآنی آیات کے منسوخ اور باطل ثابت کرنے کی خواہش اور جرأت ہو وہ بے شک مسیحؑ ناصری کا منتظر رہے ہم تو اُس خدا سے ڈرتے ہیں جس نے یہود پر کلامِ الٰہی میں دست اندازی کرنے کی وجہ سے لعنت کی۔ خدا شاہد ہے کہ ہمارا دل کس طرح اس بات کو دیکھ دیکھ کر کڑھتا ہے کہ مسلمان ایک ایسے عقیدے پر جمے ہوئے ہیں جو سنّت اللہ کے خلاف ہونے کے علاوہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح ناصریؑ دونوں کی سخت ہتک کا موجب ہے۔ مگر وقت آتا ہے کہ جب ہمارے بھائی مسلمان اپنی غلطی کو محسوس کریں گے اور مسیحؑ کی آمد کے لئے آسمان کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے پیچھے نظر ڈالیں گے۔ اُس وقت محمدی مسیحؑ کا یہ قول

پورا ہوگا کہ ؎

امروز قومِ من نہ شناسد مقامِ من روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

"یعنی آج میری قوم نے میرے خداداد مقام کو نہیں پہچانا مگر ایک دن آتا ہے کہ وہ میرے بابرکت وقت کو یاد کر کے روئے گی"۔

بالآخر حضرت مرزا صاحب کی ایک تحریر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں :۔

"اے تمام لوگو سُن رکھو کہ یہ اس کی پیش گوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجّت اور بُرہان کے رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔ وہ دن آتے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کا فکر رکھتا ہے نامُراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اگر (لوگ) اب مجھ سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو اس ٹھٹھے سے کیا نقصان کیونکہ کوئی نبی نہیں جس سے ٹھٹھا نہیں کیا گیا۔ پس ضرور تھا کہ مسیح موعودؑ سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے روبرو آسمان سے اترے اور فرشتے بھی اُس کے ساتھ ہوں اُس سے کون ٹھٹھا کرے گا؟ پس اس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی اُن میں سے عیسیٰؑ بن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اُن کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور اُن میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰؑ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا اُن کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ

صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰؑ اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدے سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسیٰؑ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بد ظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے"۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۶۔۶۷)

تتمّہ رِسالہ ہذا[1]

حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب بانی سلسلہ احمدیہؑ کی جو شاندار پیش گوئی اُوپر کی عبارت میں درج ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اس اعلان سے تین سو سال کے اندر اندر کیا مسلمان اور کیا عیسائی حضرت مسیحؑ ناصری کے جسمانی نزول کے متعلق مایوس ہو کر اس جھوٹے عقیدے کو چھوڑ دیں گے اور دُنیا دوسرے رنگ میں پلٹا کھا جائے گی اس کے ابتدائی آثار ابھی سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس خیال کی طرف مائل ہو رہا ہے کہ کسی مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کا خیال غلط ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال مرحوم نے بھی اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے ایک مضمون میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ہمارے مولویوں سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے مسیحؑ کے نزول کے عقیدے کو صحیح تسلیم کر کے جماعتِ احمدیہ کے ساتھ بحث کا دروازہ کھولا اور اس بحث میں شکست کھائی۔ انہیں چاہئے تھا کہ سرے سے مسیحؑ کے نزول سے ہی منکر ہو کر احمدیت کا مقابلہ کرتے اور اس طرح مسیحؑ کے نزول سے انکار پر ہی اس ساری بحث کا خاتمہ کر دیتے تاکہ بقول شخصے ”نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری“ اس قسم کے خیالات کا قریب کے زمانے میں بعض دوسرے مسلمان افراد نے بھی اظہار کرنا شروع کر دیا ہے اور یقیناً یہ احمدیت کی ایک عظیم الشان فتح اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ کی مندرجہ بالا پیش گوئی کے پورا ہونے کے ابتدائی آثار ہیں جو خدا کے فضل و کرم سے اس اعلان کے پچاس ساٹھ سال کے اندر اندر ہی ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ابھی یہ طبقہ اس مسئلے کو دوسرے رنگ میں پیش کر رہا ہے یعنی یہ کہ اسلام میں کسی مسیح کے نزول یا ظہور کی پیش گوئی ہی نہیں پائی جاتی اور نہ آنحضرت ﷺ کے بعد

---

[1] یہ تتمہ رسالہ ہذا کے دوسرے ایڈیشن کے وقت لکھا جا کر رسالہ ہذا میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (خاکسار مصنف رسالہ الحجۃ البالغہ)

مسلمانوں کے لئے کسی رُوحانی مصلح کی ضرورت ہے۔ لیکن عقلمند انسان جسے اسلامی صحائف کا تھوڑا بہت مطالعہ ہے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ یہ خیال کہ آنحضرتؐ کے بعد کسی روحانی مصلح کی ضرورت نہیں خدا تعالیٰ کے ازلی اصلاحی نظام کے خلاف ہے جو یہ ہے کہ جب بھی دنیا میں عقائد اور اعمال کا غیر معمولی فساد برپا ہوتا ہے تو خدا اسے اپنے کسی خاص تربیت یافتہ مصلح کے ذریعہ دور فرماتا ہے۔ روحانی مصلحوں کا مبعوث ہونا صرف نئی شریعت لانے کی غرض سے نہیں ہوا کرتا بلکہ خالق ہستی پر بندوں کے ایمان کو تازہ کرنے اور لوگوں کے نفوس کی اصلاح اور اخلاق کی درستی اور باطل خیالات کی سرکوبی کے لئے بھی ہوتا ہے اور یہ غرض قرآن شریف کے مکمل ہو جانے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد مسلمانوں میں کئی مجدّد مبعوث ہوتے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بھی ان کی شریعت کی اتباع میں کئی روحانی مصلح آتے رہے جنہیں کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی بلکہ وہ صرف موسوی شریعت کی خدمت کے لئے ہی مبعوث ہوتے تھے۔

باقی رہا یہ مخصوص اعتراض کہ اسلام میں کسی مسیح کے نزول کی پیش گوئی نہیں پائی جاتی سو یہ خیال بھی بالبداہت باطل ہے بلکہ حق یہ ہے کہ اس زمانے میں اس خیال کا پیدا ہونا احمدیت کے متعلق ایک سراسر شکست خوردہ ذہنیت کا نتیجہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ورنہ کون مسلمان نہیں جانتا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس شدّومد اور کس تکرار کے ساتھ آخری زمانے میں ایک مثیل مسیحؑ کی پیش گوئی فرمائی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر صحیح بخاری کی یہی ایک حدیث کافی ہے جس میں رسولِ اکرمؐ فرماتے ہیں :۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب نزول عیسٰی ابن مریم)

”یعنی مجھے اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں ضرور ضرور مسیح ابن مریم نازل ہوگا۔ وہ دینی اختلافات میں حَکَم بن کر فیصلہ کرے گا اور اسکا فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوگا۔ وہ صلیبی فتنہ کے زور کے وقت میں ظاہر ہوگا اور اس فتنہ کو پاش پاش کر دے گا۔ اور اس وقت دنیا میں خنزیری پلیدیوں کا بھی زور ہوگا اور مسیح ان پلیدیوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا۔ مگر یہ سب کام دلائل اور براہین اور روحانی نشانوں کے ذریعہ ہوگا کیونکہ وہ زمانہ امن کا ہوگا اور مذہبی جنگ اور جزیہ اس زمانے میں موقوف ہو جائے گا“۔

کیا اس قسم کی زبردست پیش گوئیوں کے ہوتے ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم کھا کر بیان فرمائی ہیں اور جو احادیث کی عام کتابوں میں ہی نہیں بلکہ حدیث کی چوٹی کی کتاب تک میں بھی جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ شمار ہوتی ہے پائی جاتی ہیں اور قرآنِ مجید میں بھی اس کی طرف صریح اشارات ملتے ہیں اور تمام مسلمان صحابہؓ کے زمانے سے لے کر اس وقت تک ان پیش گوئیوں پر ایمان لاتے چلے آئے ہیں۔ کوئی شخص مطلقاً مسیحؑ کے نزول کے عقیدے سے انکار کر سکتا ہے؟ ہاں مسیحؑ ناصری کا آسمان پر زندہ جانا اور پھر آسمان سے اُترنا بے شک ایک باطل عقیدہ ہے جس کی قرآن وحدیث میں کوئی سند نہیں ملتی۔ اور صحیح عقیدہ یہی ہے کہ ان پیش گوئیوں میں ایک مثیل مسیحؑ کی خبر دی گئی تھی جس نے حضرت مسیحؑ ناصری کی طرح محمدیؐ سلسلے کے آخر میں مسیحؑ کی خُو بُو پر ظاہر ہو کر اسلام کی خدمت بجالانی تھی اور وہ خدا کے فضل سے ظاہر ہو چکا ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے۔

خلاصہ یہ کہ جو پیش گوئی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ نے فرمائی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کا انتظار کرنے والے تین سو سال کے اندر اندر اس انتظار سے مایوس ہو کر مسیحؑ ناصری کے جسمانی نزول کے عقیدے کو ترک کر دیں گے اس کے آثار ابھی سے شروع ہیں اور گو اس وقت اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے صرف ایک حصے کا انکار کیا جا رہا ہے مگر وہ وقت دور نہیں کہ

کیا مسلمان اور کیا عیسائی اس بحث کے اصلی نقطہ پر آکر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوں گے کہ جس مسیح کا آسمان سے انتظار کیا جارہا تھا وہ سرور کائنات حضرت خاتم النّبیین سیدّ الاوّلین والآخرینؐ کے انفاس قدسیہ کے طفیل اسی زمین میں سے ظاہر ہو کر اِمَامُکُم مِنکُم کا وعدہ پورا کر چکا ہے۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے اپنے عشقِ رسولؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند
لُطف کردی کہ ازیں خاک نمایاں کردی

پبلشر نوٹ

کتاب ہذا میں صفحہ ۲۰ پر تحریر ہے کہ :۔

”مزید ثبوت یہ ملا کہ وہ قبر (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ناقل) اور اس کے ساتھ والی مسیح کی ماں کی قبر ٹھیک اسی طرز پر بنی ہوئی ہیں۔۔۔“

حضرت مسیح علیہ السلام کی ماں کی قبر کے بارہ میں حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ نے غالباً زبانی روایات سنی ہوں گی تحقیق پر یہ بات درست ثابت نہیں ہوئی اور نہ ہی حضرت میاں صاحب رضی اللہ عنہ نے کوئی حوالہ دیا ہے البتہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر والی بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ (پبلشر)

'AL-HUJJATUL BAALIGHA'

(POWERFUL ARGUMENT)

BY

HAZRAT MIRZA BASHIR AHMAD SAHIB
M.A

The Christians strongly believe that Jesus christ is the son of God and that he bodily ascended to heaven and is still alive there. Influenced by this belief some ignorant Muslims interpret some Quranic verses wrongly and believe in the bodily ascension of Jesus Christ.

The author has disproved the Christian belief from Quran, Hadith and by common logic in an easy-to-understand style.